REGISTERED WITH THE REGISTRAR OF NEWSPAPER FOR INDIA AT NO R.N. 61/57.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ و علی عبدہ المسیح الموعود

POSTAL REGISTRATION NO. P/GDP - 23

جلد ۴۴ — شمارہ ۲۵

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

ہفت روزہ بدر قادیان

ایڈیٹر: منیر احمد خادم
نائبین: قریشی محمد فضل اللہ، محمد نسیم خان

شرح چندہ
سالانہ ۱۰۰ روپے
بیرونی ممالک:
بذریعہ ہوائی ڈاک ۲۰ پاؤنڈ یا ۴۰ ڈالر امریکن
بذریعہ بحری ڈاک: دس پاؤنڈ یا ۲۰ ڈالر امریکن

ہفت روزہ بدر قادیان ۱۴۳۵۱۶

THE WEEKLY BADR QADIAN-143516-

۲۲ محرم ۱۴۱۶ ہجری — ۲۲ احسان ۱۳۷۴ ہش — ۲۲ جون ۱۹۹۵ء

اخبار احمدیہ

لندن ۱۹ احسان (ایم. ٹی. اے) سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت ہیں۔

احباب جماعت اپنے جان و دل سے پیارے آقا کی صحت و سلامتی درازیٔ عمر مقاصد عالیہ میں معجزانہ کامیابیوں اور خصوصی حفاظت کے لئے درد دل سے دعا جاری رکھیں۔

اَللّٰھُمَّ اَیِّدْ اِمَامَنَا بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَ مَتِّعْنَا بِطُوْلِ حَیَاتِہٖ وَ بَارِکْ فِیْ عُمُرِہٖ وَ اَمْرِہٖ

مخالف نوبت بہ نوبت اپنے فرض منصبی کو سرانجام دیتے ہیں ابتداء انکی ہوتی ہے اور انجام متقیوں کا

ارشادات عالیہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

مخالفوں کی خطرناک فحش تحریروں پر فرمایا:-

"ہمارے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ خدا تعالیٰ نیتوں کو خوب جانتا ہے اور ان افعال کو جو ہم کر رہے ہیں دیکھتا ہے۔ وہ خود فیصلہ کر دے گا اور سچائی پر اپنی مہر کر دیگا۔ ہم کو تو یہ تعجب آتا ہے کہ اگر یہ لوگ تقویٰ اور خدا ترسی سے کام لیتے تو خوف کے محل اور مقام سے ڈر جاتے اور مخالفت میں اس قدر زبان درازی نہ کرتے وہ دیکھتے کہ کیا وہ وقت نہیں، آیا کہ مسیح موعود نازل ہو؟ کیا صلیب کا غلبہ نہیں؟ کیا اسلام کی توہین اور تضحیک نہیں کی جاتی؟ وہ دیکھتے کہ صدی میں سے انیس سال گزر گئے اور کوئی مدعی کھڑا نہ ہوا۔ جو درماندہ اسلام کی حمایت کے لئے میدان میں آتا۔

پھر ضرورت اور وقت ہی پر اپنی نگاہ محدود نہ کرتے اگر وہ غور کرتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ آسمان نے صاف شہادت دے دی اور کسوف خسوف ظاہر ہو گیا جو عظیم الشان نشان مقرر ہو چکا تھا۔ تائیدی نشانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے وہ اسے دیکھتے اور سلسلہ کی ترقیات پر غور کرتے اور سوچتے کہ کیا مفتری اسی طرح ترقی کیا کرتے ہیں۔

ان سب امور پر یکجائی نظر کے بعد تقویٰ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس قدر بین شواہد ہوتے ہوئے بھی اگر ان کی نگاہ تاریک تھی تو وہ خاموش ہو جاتے اور صبر سے انتظار کرتے کہ انجام کیا ہوتا ہے؟ مگر یہاں تو شور عظیم میری مخالفت میں برپا کیا گیا اور گندی گالیاں دی گئیں جنکی نظیر پہلے مخالفوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔ حجج الکرامہ میں نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ آیات پوری ہو گئی ہیں اور پھر اپنی اولاد کو اسلام کی وصیت کرتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو خود بھی ان مخالفت کرنے والوں ہی کے ہمراہ ہوتے۔ یہ لوگ کب ماننے والے ہوتے ہیں جب تک وہی نظارہ آنکھوں سے نہ دیکھ لیں جو خیالی طور پر دل میں فرض کر رکھا ہے۔ یہ لوگ جو کچھ ان سے بن پڑتا ہے میری مخالفت میں کریں مجھے ذرا بھی پروا نہیں کیونکہ یہ میرا مقابلہ نہیں۔ یہ تو خدا سے مقابلہ کیا جاتا ہے اگر میری اپنی مرضی پر ہوتا تو میں تخلیہ کو بہت پسند کرتا تھا۔ مگر میں کیا کر سکتا تھا جبکہ خدا تعالیٰ نے ہی ایسا پسند کیا۔ یہ مقابلہ کریں۔ مگر دیکھ لیں گے کہ خدا کے ساتھ کوئی جنگ نہیں کر سکتا۔ وہ ایک طرفۃ العین میں سالہا سال کی کارروائی کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ اس لئے ہمیں خوشی ہے کہ ان کی مخالفت سے ذرا بھی رنج نہیں ہوتا کیونکہ ہمارا خدا ایسا خدا ہے جو ساری خوبیوں سے متصف ہے۔ جیسا کہ الحمد للہ میں ہم کو پہلے ہی بتا دیا گیا ہے پھر خدا داری چہ غم داری ہمیں ان کی مخالفت کا کیا فکر؟

ہم کیوں بے حوصلہ ہوں؟ یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ" (ابراہیم: ۱۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انبیاء اور رسل آتے ہیں وہ ایک وقت تک صبر کرتے ہیں اور مخالفوں کی مخالفت جب انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو ایک وقت توجہ تام سے اقبال علی اللہ کر کے فیصلہ چاہتے ہیں اور پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے "وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ"۔ "اِسْتَفْتَحُوْا" سنت اللہ کو بیان کرتا ہے کہ وہ اس وقت فیصلہ چاہتے ہیں اور اس فیصلہ چاہنے کی خواہش ان میں پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب گویا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ پس ہم اپنے مخالفوں کی مخالفت کی کیا پروا کریں۔ یہ مخالف نوبت بہ نوبت اپنے فرض منصبی کو سرانجام دیتے ہیں۔ ابتداء ان کی ہوتی ہے اور انجام متقیوں کا۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ (القصص: ۸۴)

(ملفوظات جلد ۳ مطبوعہ لندن صفحہ ۲۱۳ تا ۲۱۵)

منیر احمد حافظ آبادی ایم اے پرنٹر و پبلشر نے فضل عمر پریس قادیان میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔ پروپرائٹر: نگران بورڈ بدر قادیان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
ہفت روزہ بدر قادیان
مورخہ ۲۲ احسان ۱۳۷۴ ہش

مشترکہ سول کوڈ کی پکار
اور
حقیقت پسندانہ جائزہ

گذشتہ دنوں اخبارات و رسائل میں یہ خبریں پڑھنے کو ملیں کہ سپریم کورٹ نے بعض ہندوؤں کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی دوسری شادی کو غیر قانونی قرار دے کر انہیں ایک مسلمان کے طور پر قبول نہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے دوسری شادی کی لالچ میں اسلام قبول کیا ہے۔ اس لئے مسلم پرسنل لاء کے تحت ان کے ساتھ سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ اس فیصلہ کے ساتھ ہی سپریم کورٹ نے حکومت کو ایک بار پھر توجہ دلائی ہے کہ وہ آئین کی دفعہ ۴۴ کے تحت مشترکہ سول کوڈ کے لئے راہ کو ہموار کرے تاکہ مستقبل میں اس طرح کے "دھرم پریورتن" کو روکا جا سکے۔ اس تعلق میں جج صاحبان کی طرف سے جو کہا گیا ہے اس کو بعض سیکولر مزاج لوگوں نے اچھا نہیں سمجھا ہے۔ فاضل جج صاحبان لکھتے ہیں:۔

"جن لوگوں نے تقسیم ملک کے بعد بھارت میں رہنا پسند کیا وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بھارتی راہنما دو قوموں یا تین قوموں کے نظریہ میں یقین نہیں رکھتے وہ سب جانتے تھے کہ ہندوستانی جمہوریت میں صرف ایک قوم ہے اور وہ ہندوستانی قوم ہے۔ اس لئے کسی فرقہ کو مذہب کی بناء پر الگ پہچان کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے۔"

مشہور کالم نویس کلدیپ نیر نے جج صاحبان کے اس تبصرہ کو "افسوسناک" لکھتے ہیں۔ (کلدیپ نیر کی ڈائری مطبوعہ قومی اخبارات ۳۱/۵)

دوسری طرف یہ بھی خبر ہے کہ مذکورہ سب مسلمان ہونے والے ہندوؤں کو اس فیصلہ کے بعد دوبارہ آریہ سماج مندر میں لے جا کر پھر سے "شدھ" کر دیا گیا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ جب سے ہمارا قانون بنا ہے حکومت کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ مستقبل میں مشترکہ سول کوڈ کو اپنانے کی طرف اپنے قدموں کو بڑھائے۔ لیکن ماضی میں مشترکہ سول کوڈ کے تعلق سے ہمارے آئین میں کیا تعامل رہا ہے اور کس طریقے کار کو اپنایا جاتا رہا ہے اس پر آج کی گفتگو میں ہم کسی قدر روشنی ڈالیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلم پرسنل لاء اور ہندو لاء تقسیم ملک کے قبل سے ہی رائج ہیں۔ ان ہر دو میں شادی بیاہ، طلاق۔ نان و نفقہ کفالت اور ورثہ سے متعلق ہر دو مذاہب کے ماننے والوں کے الگ الگ قوانین درج ہیں۔ مسلم پرسنل لاء کے مندرجہ بالا قوانین کے تحت صرف مسلمان آتے ہیں جبکہ ہندو لاء کے تحت ہندوؤں کے علاوہ بدھسٹ۔ جینی اور سکھ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

ہندو لاء جس میں وقت کے ساتھ ساتھ ترمیم و اضافہ ہوتا رہا ہے کئی تشکیلیں تبدیل کر کے آج ہمارے سامنے

۱۔ ہندو شادی قانون	۱۹۵۵ء
۲۔ ہندو ورثہ قانون	۱۹۵۶ء
۳۔ ہندو کفالت قانون	۱۹۵۶ء
۴۔ ہندو نان و نفقہ قانون	۱۹۵۶ء

کی شکل میں موجود ہے۔

مذکورہ تمام قوانین میں اکثر دفعات ایسی ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ اسلام کے قوانین سے حاصل کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم ہندو میریج ایکٹ ۱۹۵۵ء کو پیش نظر رکھ کر اس کا تاریخی جائزہ لیتے ہیں کہ یہ ہندو قانون کس قدر نشیب و فراز سے گزر کر آج اپنی موجودہ منزل پر ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ اس قانون نے کہاں کہاں اور کب کب اسلام کا سہارا لیا ہے۔

ہندو مقدس کتب کے مطابق ہندو شادی SACRAMENT یعنی ہمیشہ کا ایک اٹوٹ بندھن ہے۔ جو مرنے کے بعد دوسرے جنم میں بھی میاں بیوی کے درمیان قائم رہتا ہے ایسا بندھن جس میں دو انسانوں کو ان کی مرضی کے بغیر بچپن سے ہی مذہبی اور خاندانی بزرگوں کے ذریعہ باندھا جا سکتا ہے۔ اور پھر یہ بندھن ایسا اٹوٹ ہے کہ یہ جوڑا نہ صرف اس دنیا میں اکٹھے رہتا ہے بلکہ دوسرے جنم میں بھی دونوں کو ایک ساتھ ہی رہنا ہے۔ اسی لئے لڑکی کی شادی کو "کنیا دان" کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ کہ لڑکی دان کے طور پر دوسرے کو دے دی اور جس طرح دان میں دی ہوئی چیز واپس نہیں لی جاتی اسی طرح لڑکی کا واپس لوٹنا بھی منحوس سمجھا جاتا ہے۔

لیکن اس کے بالمقابل مسلم شادی دو فریق کا ایک معاہدہ ہے۔ ایک CONTRACT ہے جس میں دو فریق باہم لڑکے اور لڑکی کی رضا مندی سے یہ سمجھوتہ کچھ شرائط کے ساتھ طے کرتے ہیں اور جب تک وہ شرائط قائم رہتی ہیں سمجھوتہ بھی قائم رہتا ہے اور جب وہ شرائط ٹوٹ جاتی ہیں تو ساتھ ہی CONTRACT بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور لڑکی پھر دوبارہ اپنے والدین بھائی بہنوں یا دیگر رشتہ داروں کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

اب ہم اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ ہندو شادی کیا عملاً اب بھی SACRAMENT ہے یا آہستہ آہستہ یہ مسلم قانون کے مطابق دو فریق کے معاہدے (باقی صفحہ ۱۱ پر)

طالبِ دعا: محبوب عالم ابن محترم حافظ عبد المنان صاحب مرحوم
M/s NISHA LEATHER
SPECIALIST IN: LEATHER BELTS. LEATHER LADIES AND GENTS BAG, JACKETS, WALLETS ETC.
19 A. JAWAHARLAL NAHRU ROAD
CALCUTTA - 700081

Star CHAPPALS
PHONE - 543105
WHOLLE SELLERS OF HIGH QUALITY LEATHER & RUBBER CHAPPALS
105/661, OPP. BLOCK NO 7, FAHIMABAD COLONY
KANPUR-1 PIN - 208001

C.K. ALAVI RABWAH WOOD INDUSTRIES
MAHDI NAGAR, VANIYAMBALAM. 679339
(KERALA)
TIMBER LOGS SAWN-SIZE
TEAK POLES & WOODEN FURNITURE

FOR
DOLOO SUPREME
CTC TEA IN 100 GMS & 200 GMS POUCHES
Contact:- TAAS CO
P-48. PRINCEP STREET :- CALCUTTA - 700072.
PHONES - 263287 279302

خطبہ جمعہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کا تعلق انسان کی بھلائی اور بہبود کے لئے بے حد ضروری ہے

اس تعلق میں بدظنی پیدا ہو جائے تو واقعۃً انسان بہت سی خوبیوں سے محروم رہ جاتا ہے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بتاریخ ۲۱ اپریل ۱۹۹۵ء / ۲۱ شہادت ۱۳۷۴ ہش بمقام مسجد فضل لندن

تشہد و تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:-

صفات باری تعالیٰ کا جو مضمون جاری ہے اس سلسلے میں ایک اہم قابل توجہ بات وقت کا وقت محسوس کرنے والے کے ساتھ تعلق کا مسئلہ ہے۔ وقت کوئی ایسی چیز نہیں جو یکساں ہر صورت میں ہر ایک کے ساتھ ایک ہی طرح کے تعلق رکھتا ہو اور ایک ہی طرح کے احساس پیدا کرتا ہو۔ آپ مصروف ہوں کسی چیز میں اور بہت دلچسپی ہو تو آپ کا وقت آناً فاناً گزر جاتا ہے اور اگر ایسی جگہ بیٹھے ہوں جہاں طبیعت پر بوجھ ہو، طبیعت کے خلاف، مزاج کے خلاف لوگ بیٹھے ہوں تو بعض دفعہ وقت گزرتا ہی نہیں ہے۔ پھر مصیبت زدہ کا وقت بہت آہستہ گزرتا ہے۔ فراق کے مارے ہوئے کا وقت بہت آہستہ گزرتا ہے۔ اور وہ جو آرام محسوس کر رہا ہے یا جسے وصل کی راحت میسر ہے اس کا وقت بہت تیزی سے گزر جاتا ہے۔ لگتا ہے لمحے اڑتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

تو سوال یہ ہے کہ اللہ کی ذات سے اس مضمون کا کیا تعلق ہے اور کیا خدا تعالیٰ کے لئے بھی زمانہ اسی طرح کے اثرات پیدا کرتا ہے یا فرق ہے۔ جہاں تک جذبات کے ہیجان کا تعلق ہے یہ فرق تو بہت واضح اور قطعی ہے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس بارے میں بڑی تفصیل سے اور بڑی حتمی طور پر روشنی ڈالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اندر وہ ہیجان نہیں ہے جو انسان اپنے اندر پاتا ہے۔ غم کے وقت بھی انسان کے اندر ایک ہیجان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ خوشی کے وقت بھی انسان کے اندر ایک ہیجان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس ہیجان سے پاک ہے کیونکہ ہیجان دراصل ذات کے اندر زمانہ گزرنے کو کہتے ہیں۔ اگر کسی ذات کے اندر زمانہ گزرنے لگے تو وہ ہیجان ہے اور زمانہ ٹھہر جائے تو وہ اکتاہٹ ہے، طبیعت بے زار ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں وقت نہیں گزرتا۔ لیکن دراصل یہ اندرونی کیفیات ہی کے نام ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں بڑی قطعیت کے ساتھ اور اس وجہ سے کہ واقعۃً بہت اہم مسئلہ ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہیجان کا تصور جرم اور گناہ ہے۔ خدا تعالیٰ میں کوئی ہیجان نہیں ہے اور یہ اس لئے لازم ہے کہ اگر ہیجان ہے تو پھر وہ ایک فانی ذات ہے۔ کیونکہ اس کے اندر پھر تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ اور تبدیلیاں ایسے زمانے کو چاہتی ہیں جو کسی نہ کسی طرف کوئی کنارہ رکھتا ہے۔ آغاز بھی ہوتا ہے اور انجام بھی ہوتا ہے اور اس کے مادے کی کیفیت ایک نہیں رہتی۔ پس اس پہلو سے یہ بہت اہم مضمون ہے لیکن اس کے نتیجے میں پھر جو اور مسائل پیدا ہوتے ہیں اور بعض احادیث میں خدا تعالیٰ کی صفات جس طرح بیان فرمائی ہیں ان سے اس مضمون کا جو ایک قسم کا ٹکراؤ دکھائی دیتا ہے اس کا حل پیش کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک ہیجان کا تعلق ہے اس کا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے زمانے گزرنے سے گہرا تعلق ہے اور اگر زمانہ نہ گزرے تو پھر انسان اور کچھ نہیں تو کھیل کود میں ہی مصروف ہو جاتا ہے اور کھیل کود سے وقت کو ٹالتا ہے۔ آج کل جو ٹیلی ویژن دیکھنے کا رواج ہے یہ وقت کو تباہ کرنے کی ہی شکل ہے۔ کوئی اچھا کام نہ ہو، کوئی دلچسپی کی بات نہ ہو، مصروفیت نہ ہو تو ایسا آدمی ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھا رہتا ہے۔ یعنی وہ لوگ یا وہ قومیں جہاں یہ عام ہے ان کا یہی حال ہے کہ بچے بھی بڑے بھی وہ ایک کام چھوڑ کر ٹیلی ویژن کے سامنے آ کے بیٹھتے ہیں اور ٹیلی ویژن کے سامنے آ کر بیٹھنا کئی قسم کی کہانیاں بیان کرتا ہے، کئی ان کہی باتیں ہمارے سامنے کھولتا ہے۔ ایک بچہ جس کو پڑھائی میں دلچسپی اور گہرا انہماک پایا جاتا ہے اور شوق ہے کہ وہ زیادہ نمبر لے وہ ٹیلی ویژن دیکھے گا بھی تو سرسری نظر سے، پاس سے دیکھ کر گزر جائے گا مگر اس کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ ایک شخص ہے جسے ایک اچھی مجلس مہیا ہے۔ بہت دلچسپ باتیں ہو رہی ہیں ایسے موقع پر ٹیلی ویژن کے بعض اچھے پروگرام بھی لگے ہوں تو لوگ کہتے ہیں بند کرو، اس کو بند کرو، ختم کرو، ہمیں باتیں کرنے دو، بڑا مزہ آ رہا ہے۔ تو یہ دراصل مختلف مزوں کے تہ ہونے یا وقت کے اچھے مصرف نہ ہونے کے نتیجے میں انسان کھیل کود کی طرف مائل ہوتا ہے۔

اس تعلق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ" (الانبیاء: ۱۷) کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اس میں ہے اسے کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ کیونکہ کھیل تماشا متقاضی ہے کہ دوسری طرف وقت کا بہتر مصرف نہ ہو۔ اور جہاں تک وقت کا تعلق ہے چونکہ خدا وقت کا خالق ہے وقت کی مخلوق نہیں اس لئے وقت اس پر حاکم نہیں ہے، وہ وقت پر حاکم ہے۔ اور اس پہلو سے جو چیزیں اس نے پیدا کی ہیں ان میں اگر اس کو ضرورت ہو تو ان کو پیدا کیوں کرتا۔ ان چیزوں کو سنبھالنا، ان کی دیکھ بھال کرنا، ان کا انتظام کرنا کیونکہ وہ خود مالک وقت ہے اس کے لئے لازم تھا کہ ایسا کرتا تاکہ خدا کی ذات کے مطابق ہوتی، وہ اس کی شایان شان ہوتیں اور اگر وہ شایان شان نہ ہوں تو کھیل شایان شان نہیں رہتی اور اس کے کھیل اپنے معنی کھو دیتی ہے۔

اس لئے میں نے آپ کے سامنے یہ ٹیلی ویژن کی مثال رکھی اور دوسرے کھیل کود کی مثالیں بھی آپ کے سامنے ہیں۔ اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ کھیل کود ایک متبادل ہے وقت کے بہترین مصرف نہ ہونے کا۔ نہ ہو تو پھر انسان لہو لعب میں مصروف ہوتا ہے اور اگر وقت کی قیمت ہو یعنی خود انسان نے بتایا ہو اور اس کا وقت کے اندر اعلیٰ درجہ کا کام کر رہا ہو تو پھر کھیل کود بالکل بے معنی اور

لغو ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کھیلیں بھی جو لعب کے ہلکے معنوں میں نہیں بلکہ بعض سنجیدہ معنوں میں سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً ورزشیں ہیں جن سے صرف دلچسپی کا تعلق نہیں بلکہ صحت جسمانی کا تعلق ہے، ان کو آپ لعب اُن معنوں میں نہیں کہہ سکتے جن معنوں میں عموماً یا اب جاری ہے یا اطلاق پایا جاتا ہے کہ بالکل لغو اور بے معنی ہیں۔ مگر جب بہت اچھے اور اعلیٰ مصارف وقت کے موجود ہوں تو پھر وہ بامعنی کھیلیں بھی لعب اور لغو کھیلیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں قادیان میں کرکٹ کا ایک میچ ہو رہا تھا جس میں کافی بڑے بڑے قادیان کے بزرگ بھی شامل تھے اور صحابہ میں بھی شوق تھا بعض کو کرکٹ کھیلنے کا، اس لئے سب اس طرف چلے گئے اور بہت ہی جوش دکھایا گیا اور کرکٹ کے میچ سے سب بہت ہی محظوظ ہو رہے تھے تو ایک بچے نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ ابا آپ نہیں کرکٹ کھیلنے جائیں گے یا دیکھنے جائیں گے تو آپ نے فرمایا کہ بیٹا میں جو کرکٹ کھیل رہا ہوں وہ اور ہے، اس کی بات ہی اور ہے پس لعب خواہ فضول نہ بھی ہو اگر اس سے بہتر مصارف انسان کے وقت کے ہوں تو وہ بامعنی فائدہ مند کھیلیں بھی بالکل بے معنی اور بے حقیقت دکھائی دیتی ہیں، ان کے چہرے پہ کوئی نور نظر نہیں آتا

تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق قرآن کریم میں جو یہ گواہی ملتی ہے "ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحانك فقنا عذاب النار" اس کا اسی آیت سے تعلق ہے" وما خلقنا السماء والارض وما بينهما لاعبين" لاعب ہونے کی ہمیں ضرورت کیا ہے ہم نے اس غرض سے تو نہیں پیدا کیا کہ اپنا وقت گزاریں۔ لعب کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ اور لعب کا تعلق اس ذات سے ہوتا ہے جو لعب میں مصروف ہو اور اس کی دلچسپی اپنی ذات میں کسی کمی کو پورا کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے اور بہت سے دوسرے ایسے انسان کے مصارف ہیں جن کا تعلق گرد و پیش بہت وسیع دائروں تک پھیل جاتا ہے لیکن لعب کا تعلق ہر شخص کی اپنی ذات سے تعلق ہے۔ اب آپ کہیں کہ دیکھو جی کرکٹ کھیلتے ہیں تو لاکھوں آدمی دیکھ رہے ہوتے ہیں فٹ بال کا میچ ہوتا ہے تو لاکھوں یہاں بھی ٹیلی ویژن پہ بھی دیکھ رہے ہیں ان کے ساتھ تو سب کا تعلق ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ہر ایک کا اپنی ذات کا لعب کا تعلق ہے۔ ہر اس شخص کا تعلق ہے جس کے وقت میں اس وقت کوئی اور بہتر چیز موجود نہیں ہے۔ اس لئے خواہ کروڑوں بھی ہوں اور وہ کھیل نہ بھی کھیل رہے ہوں تب بھی اس کو دیکھنے کا بھی اس بنیادی فلسفے سے گہرا تعلق ہے۔ کہ اگر وقت کا بہتر مصرف ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر چلو کرکٹ کی کمنٹری سن لیتے ہیں یا فٹ بال کا میچ دیکھ لیتے ہیں، خود نہیں دیکھ سکتے تو ریڈیو، ٹیلی ویژن کے ذریعہ دیکھ لیں تو یہ ساری دلچسپیاں وقت کے دوسرے اعلیٰ مصارف کے نہ ہونے کے نتیجہ میں ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو بھی خدا کرتا ہے اُس پر خوشی محسوس کرتا ہے یا تکلیف محسوس کرتا ہے یا غم محسوس کرتا ہے۔ تو کن معنوں میں۔ اور اگر وہ اچھی باتیں بھی ہیں یا لعب کے علاوہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی مصروفیات ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان مصروفیات کا خدا کی ذات میں ہنگامہ پیدا کرنے سے کیا تعلق ہے۔ زیر و بم پیدا نہ ہوں تو ہم خوشی محسوس نہیں کرتے زیر و بم پیدا نہ ہوں تو ہم غمی محسوس نہیں کرتے۔ تو اللہ کی ذات کا اور ہمارا اس معاملہ میں کیا فرق ہے۔ یہ پہلو بھی توجہ کے لائق ہے اور اس کے نتیجہ میں ہمیں جیسا کہ میں آگے جا کے بیان کروں گا۔ ایک بہت گہرا سبق ملتا ہے۔

وہ احسان کا لطف جو اس بات سے بھی مستغنی ہو جائے کہ جس پر احسان کیا جا رہا ہے اس نے محسوس بھی کیا ہے کہ نہیں بلکہ اس بات سے بھی مستغنی ہو جائے کہ وہ اس احسان کے بدلے کہیں بدی تو نہیں کر دیتا، وہ جو لطف ہے سب سے اعلیٰ درجہ کا لطف ہے جس میں کوئی ہنگامہ نہیں ہے۔ وہ ایک کامل سکون کا لطف ہے اور اپنی ذات میں دوام رکھتا ہے

ہم جب بھی خوشی محسوس کرتے ہیں تو کچھ پانے کے نتیجے میں کرتے ہیں اور جب غم محسوس کرتے ہیں تو کچھ کھونے کے نتیجے میں محسوس کرتے ہیں اور پانے کا احساس جو ہے اگر محرومی بڑی ہو تو اتنا ہی زیادہ دل میں ہنگامہ پیدا کر دیتا ہے اور کھونے کا احساس اگر غربت بہت ہو تو اتنا ہی زیادہ زیر و بم دل میں پیدا کر دیتا ہے اور ایک ہیجان سا برپا ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ پانے کا یہ مفہوم ہے نہ کھونے کا یہ مفہوم ہے۔ لیکن اس کے باوجود خوشی اور ایک معنی کا غم خدا کی ذات کے حوالے سے ہمیں احادیث میں ملتا ہے۔ پھر اس کے کیا معنی ہیں۔

ایک شخص جس کا سب کچھ ہو اور اس نے ہر چیز پر احاطہ کیا ہو، وہ کوئی چیز کھو سکے ہی نہ۔ اگر کوئی چیز اس سے ہٹ کر پرے جاتی ہے اور وہ باشعور ہے تو دراصل وہ کھو رہی ہے نہ کہ خدا کھو رہا ہے اس لئے وہ اگر خدا کو مل جاتا ہے تو اس کے لئے خدا تعالیٰ کی خوشی سے مراد ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی NOBILITY کا منظر دکھاتا ہے ایک بہت ہی اعلیٰ اور DIGNIFIED خدا تعالیٰ کا ایک ردعمل ظاہر ہوتا ہے جو ان معنوں میں نہیں ہے کہ میں نے کچھ پا لیا ہے، ان معنوں میں ہے کہ اس میرے بندے نے وہ پا لیا جس سے وہ محروم ہو رہا تھا۔ اور یہ جو احساس ہے یہ ہنگامہ پیدا نہیں کرتا بلکہ NOBILITY کے احساسات میں ایک قسم کا دوام پایا جاتا ہے۔ اور اس سے بجائے اس کے کہ جذبات میں ہیجان پیدا ہو ایک ایسا لطف محسوس ہوتا ہے جو ارتعاش سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کو ہم شرافت کا لطف کہہ سکتے ہیں۔

چنانچہ آپ پر اگر احسان کیا جائے تو آپ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مگر اگر آپ احسان کریں تب بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور احسان کرنے کا لطف اپنے اندر وہ ولولہ نہیں رکھتا جو احسان قبول کرنے کا لطف رکھتا ہے۔ لیکن احسان قبول کرنے کا لطف عارضی ہے اور وقتی ہے احسان کرنے کا لطف ایک دائمی لطف ہے۔ چونکہ اس میں زیر و بم نہیں ہے۔ اور ہنگامہ نہیں ہے اس لئے شرافت کا لطف ہمیشگی کا معنی رکھتا ہے اور اس میں خلود کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا چونکہ ہم سے تعلق احسان کا ہے اس لئے جو احسان کا لطف ہم محسوس کرتے ہیں اس سے ملتی جلتی کوئی بات ہم سوچ سکتے ہیں مگر احسان قبول کرنے کے نتیجے میں ایک غریب کی جو کیفیت ہوتی ہے بعض دفعہ وہ رو پڑتا ہے، بعض دفعہ خوشی سے چیخیں مارنے لگتا ہے، بے قرار ہو جاتا ہے کہ کس طرح میں اس احسان کا بدلہ اتاروں یہ اور کیفیت ہے اور احسان کرنے والا جو یہ کیفیات پیدا کرتا ہے وہ ان کیفیات سے بالا ہوتا ہے۔ اس کے اندر یہ ہنگامے نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ وہ شرمندگی محسوس کرتا ہے کہ یہ کیوں اس قدر اہمیت دے رہا ہے اس بات کو۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہی NOBILITY انسان کو ان معنوں میں سکھائی کہ جب تم بھوکا کو کھانا کھلاتے ہو، جب غریبوں کی خدمت کرتے ہو اور وہ شکریہ

ادا کرتے ہیں تو یہ کہا کرو " لا نرید منکم جزاءً ولا شکورا " (الدھر - ۱۰) یہ تو ہم اللہ کی خاطر کر رہے تھے ۔ یہ عذر رکھ کر ان سے کہا کرو کہ ہمارا شکریہ ادا نہ کرو کیونکہ شکریہ جن معنوں میں وہ ادا کرتے ہیں اس سے ان کو ایک قسم کی تکلیف ہوتی ہے ۔ درحقیقت ایک عزیب جب زیر احسان آکر شکریہ ادا کرتا ہے تو اس کے کئی مضامین ہیں ، اس سے کئی مضامین پیدا ہوتے ہیں ۔ تفصیلی طور پر چونکہ اس نکتے کی بحث نہیں اٹھا رہا صرف اتنا بتانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمیں یہ فرماتا ہے کہ تم کہہ دیا کرو کہ مجھے شکریہ کی ضرورت نہیں ہے ، دو وجوہات اس کی ممکن ہیں ۔ اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ہمارے اندر NOBILITY پیدا کی جائے اور ہمیں سمجھایا جائے کہ تم جو نیکیاں کرتے ہو ان کے ادنیٰ ادنیٰ بدلے اس وقت نہ حاصل کیا کرو ۔ اور اگر ایسا کرو گے تو تمہیں نیکی میں ایک لطف آنا شروع ہو جائے گا ۔ دوسرا یہ کہ جہاں تک جزاء کا تعلق ہے وہ تو اللہ کی رضا سب سے اچھی جزاء ہے ۔ اور اگر تم رضائے باری تعالیٰ کی خاطر نیکی کرو تو اپنا سودا تو تم نے بہت اچھی قیمت پر بیچ دیا ، اس سے بہتر قیمت متصور نہیں ہوسکتی ۔ لیکن اس کے ساتھ تمہارا NOBILITY کا لطف اپنی جگہ قائم رہا یعنی بیک وقت دو باتیں ہاتھ میں آگئیں جو ویسے ممکن ہی نہیں ہیں ۔ ایک انسان ایک سودے کو ایک دفعہ بیچتا ہے دوسری دفعہ نہیں بیچ سکتا اسی سودے کو ، کیونکہ وہ ہاتھ سے نکل گیا اور اللہ ہمیں دوہرے سودے بتاتا ہے ۔ فرماتا ہے نیکی کیا کرو تو ایسا احسان کرو کہ اس کے بدلے میں کسی جزاء کی تمنا نہیں رکھنی ۔ کسی قسم کی جزاء کی تمنا نہیں رکھنی بلکہ کسی کی نیکی کے بدلے میں بھی جو نیکی کرتے ہو وہ نیکی نہیں ہے اس لئے ایسی نیکی کرو کہ کسی نے تم پر احسان نہ کیا ہو پھر نیکی کرو ۔ بڑی تفصیل سے یہ مضمون قرآن کریم میں ہر پہلو سے روشن فرمایا گیا ہے ۔

یہ ہمیں خدا کے رنگ سکھائے جا رہے ہیں یہ صفات باری تعالیٰ سے تعارف کروایا جا رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی احسان کے لطف اٹھاتا ہے اور وہ احسان کا لطف جو اس بات سے بھی مستغنی ہو جائے کہ جس پر احسان کیا جا رہا ہے اس نے محسوس بھی کیا ہے کہ نہیں ۔ بلکہ اس بات سے بھی مستغنی ہو جائے کہ وہ اس احسان کے بدلے کہیں بدی تو نہیں کر دیتا ۔ وہ جو لطف ہے سب سے اعلیٰ درجے کا لطف ہے جس میں کوئی ہنگامہ نہیں ہے ۔ وہ ایک کامل سکون کا لطف ہے اور اپنی ذات میں دوام رکھتا ہے ۔ ایک اعلیٰ کردار کا انسان جب یہ رنگ پکڑ لے تو اس کو کہتے ہیں کہ اس نے خدائی رنگ پکڑ لیا ۔ اب انبیاء کو دیکھیں یہی بات تو ہے جو ان کو تقویت بخشتی ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اہل مکہ پہ کتنے احسان کئے ۔ اہل عرب پہ کتنے احسان کئے اور نہ ممکن ہے کہ ان احسانوں کا اور ان کے گہرے دائمی اثرات کا تصور بھی انسان باندھ سکے ۔ اس کے باوجود مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی دل آزاری کی گئی ۔ آپؐ کو روحانی بدنی ہر قسم کے دکھ پہنچائے گئے ۔ آپؐ کے سب پیاروں کی اذیت سے آپ کی اذیت میں اضافے کئے گئے ۔ لیکن بڑے استقلال کے ساتھ آپ کے پائے ثبات اسی طرح قائم رہے ، ان میں کوئی لغزش نہ آئی اور ایک ذرہ برابر بھی آپ اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹے ۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام تھا ۔ امانت کا حق ادا کرنا تھا ۔ لیکن کتنے ہیں جو یہ سوچ کر امانت کے حق ادا کر سکتے ہیں ۔ امانت کے حق ادا کرنے کا تعلق محض اس احساس سے نہیں ہے کہ ہم خدا کو جوابدہ ہیں ۔ امانت کا حق ادا کرنے کا تعلق انسان کی ذاتی شرافت اور نجابت سے ہے ۔ وہ ہو تو پھر یہ ذمہ داری انسان ادا کر سکتا ہے ۔ اور شرافت و نجابت یہ چاہتی ہے کہ وہ احسان کرے اور باوجود اس کے کہ اس احسان کا بدلہ بدی سے دیا جائے گا تب بھی احسان کرنا اپنی ذات میں ایک عجیب کے لئے لطف بن جاتا ہے اور اس لطف سے وہ مزے اٹھاتا رہتا ہے ۔ یہاں تک کہ دنیا کو خبر بھی ہو تب بھی وہ اپنی ذات میں مگن رہتا ہے ۔ کیونکہ وہ نوبل ہے ۔ اس کے اندر اعلیٰ کردار ہے ۔ یہ خدائی شان ہے جو نبیوں میں اترتی ہے ۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہیں کہ ساری کائنات اور جو کچھ بھی اس میں پیدا کیا گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کے احسانات سے غافل ہو جائے اور بالکل بے پرواہ ہو جائے اور بالکل حمد نہ کرے ۔ مخلوق کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم ہوتے کیا ہو ، تمہاری حیثیت کیا ہے ، کہ تم خدا کی ذات میں کوئی فرق ڈال سکو نہ تمہاری خوشی کوئی معنے رکھتی ہے ، نہ کوئی تمہارا غم معنے رکھتا ہے ۔ تم خدا کے سامنے جھکو نہ جھکو وہ ایسی عظیم ذات ہے کہ جب اس سے نیکی پھوٹتی ہے تو وہی اس کے لطف کا موجب ہے ۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جہاں بھی خدا کی ذات کے حوالے کے ساتھ لطف کا مضمون باندھا ہے وہاں ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ ہماری طرح کا کوئی لطف ہے ۔ یہاں تک کہ ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ خدا ہنس پڑا ، عرش پر خدا ہنس رہا تھا اس بات پر ۔ ایک بیان کرنے والے نے کہا ایک موقع پر اللہ بھی آسمان پہ اپنے ایک مہمان نواز مخلص بندے کے چٹخاروں کے اوپر چٹخارے لینے لگا ۔ یعنی یہ وہ واقعہ ہے جبکہ ایک صحابیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے مہمانوں کی خاطر کہ وہ بھوکے نہ رہیں ، اپنا اور اپنی بیوی کا کھانا ان کو پیش کر چکا تھا اور بچوں کا بھی وہی تھا ۔ بچوں کو سلا دیا اور اس کے بعد پھر بھی چونکہ غربیانہ حالت تھی اس زمانے میں ، یہ ڈر تھا کہ مہمان کے لئے کھانا کافی نہ ہوگا تو بیوی سے کہا کہ جب ہم کھانا شروع کرنے لگیں تو تم پلو سے دیئے کو بجھا دینا تاکہ اندھیرے میں اس کو یہ نہ پتہ چلے کہ میں بھی کھا رہا ہوں کہ نہیں کھا رہا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ احساس دلانے کے لئے مہمان کو کہ میں بھی کھا رہا ہوں وہ خالی چٹخارے لینے لگا ۔ جس طرح کھانے کا مزہ آتا ہے بہت مزہ آیا کر کے آوازیں نکالتے ہیں بعض لوگ ، تو عام طور پر نہ بھی نکالتے ہوں تو مہمان کو بتانے کے لئے کہ میں بھی شامل ہوں گویا کہ ، انہوں نے ایسی آوازیں نکالنی شروع کیں ۔ صبح جب نماز کے لئے حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ رات ایک بندے کے چٹخارے خدا کو اتنے پسند آئے ، خدا کے ایک بندے کے چٹخارے اس کو اتنے پسند آئے کہ عرش پر وہ بھی چٹخارے لینے لگا اور یہ بات خدا نے خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو بتائی نہ یہ کہ اس نے کوئی اطلاع خود دی ہو ۔ تو اب چٹخارے لینا یا ہنسنا ، بعض روایتوں میں جہاں تک میں نے دیکھی ہیں اس میں چٹخاروں کا لفظ تو نہیں ملتا لیکن ہنسنے کا اور لطف اٹھانے کا ذکر ملتا ہے ۔ تو سارے مضامین جو اللہ کے تعلق میں بیان کئے گئے ہیں وہ انسانی اصطلاحوں میں بیان کئے گئے ہیں مگر انسانی اصطلاحیں خدا کی ذات پر صادق نہیں آتیں ۔ اگر کوئی بھی اصطلاح نہ استعمال کی جائے تو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے ۔ کیونکہ انسانی تجربے کی کوئی بات بھی تو خدا میں نہیں ہے جو اس پر صادق آسکے ۔ پس ہمیں سمجھانے کی خاطر بعض دفعہ قرآن بھی ایسی مثالیں بیان کرتا ہے ، بعض دفعہ احادیث ایسی مثالیں بیان کرتی ہیں اور ان مثالوں کے نتیجے میں جو مومن بندے ہیں ان کے ایمان بڑھتے ہیں اور جو بیمار ہیں ان کے اندر بیماری پیدا ہوتی ہے ۔ کہتے ہیں دیکھو جی خدا ایسی باتیں کرتا ہے ۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو آریوں کے ساتھ مناظرے ہوئے ہیں وہاں بعض نہایت ہی بدخلق آریوں نے نہایت ہی گندی زبان قرآن کے متعلق استعمال کی کہ دیکھو جی تمہارے قرآن

کے مطابق تو اللہ کے ہاتھ ہیں، اس کے پاؤں ہیں وہ جہنم میں پاؤں ڈالے گا حدیث میں آتا ہے، اور خدا جہنمی ہوا، اس قسم کی بکواس اور گندی زبان استعمال کرتا رہا۔ لیکن قرآن کریم ایسی باتوں پر بھی نظر رکھتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا، فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ، وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا، یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا، وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ○ (البقرہ: ۲۷)

کہ اللہ تعالیٰ تو ایک مچھر کی مثال بھی بیان فرماتا ہے اور "فما فوقھا" سے یہ مراد نہیں کہ جو اس سے بڑی ہو۔ اس سے ادنیٰ یہاں فوق سے مراد چھوٹے ہونے کے مضمون میں اس کا فوق ہے یعنی یہ چھوٹی سی ذلیل چیز تمہیں دکھلائی دیتی ہے۔ اللہ تو اس سے بھی آگے جا کر جس کو تم حقیر ترین سمجھ سکتے ہو اس کی مثال بھی بیان کرتے ہوئے نہیں شرماتا۔ اس کا معنی میں نے پہلے بیان کیا تھا اصل معنی تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کسی تخلیق میں کسی شرم کی وجہ ہی کوئی نہیں۔ کیونکہ ہر تخلیق شاندار ہے۔ ہر تخلیق کو گہرے طور پر اتر کے دیکھیں تو آپ ورطۂ حیرت میں ڈوب جائیں گے۔ اتنا حیرت انگیز نظام تخلیق ہے کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے میں بھی کمالات کا ایک عالم پنہاں ہے ایک جہان چھپا ہوا ہے۔ تو ایک تو یہ معنی ہیں۔

لیکن دوسرے معنی یہ ہیں کہ مثالیں جب خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے تو اس کے مختلف اثر پڑتے ہیں جو بیمار لوگ ہیں ان کی مرض میں اضافے ہو جاتے ہیں۔ جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اس لئے سمجھنے کی بات ہے کہ ان مثالوں کو کس طرح سمجھو۔ پس وہ مثالیں جو اللہ تعالیٰ اپنے متعلق یا دوسروں کے متعلق قرآن کریم میں بیان فرماتا ہے ان کے اطلاق کا مسئلہ ہے ایک مومن ان کا ایسے رنگ میں اطلاق کرتا ہے کہ اس کا ایمان بڑھتا ہے۔ ایک کافر ایسے رنگ میں ان کا اطلاق کرتا ہے کہ اس کی بے ایمانی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وما یضل بہ الا الفسقین" گمراہ اللہ کرتا ہے مگر صرف فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے کیونکہ ان کے اندر بیماری پہلے سے موجود ہے۔ اس لئے وہ بیماری اور زیادہ سنگین اور گہری ہو جاتی ہے سبب وہ خدا کی کسی مثال کو نہ سمجھ سکے۔

تو اللہ تعالیٰ نے جو امثلہ قرآن کریم میں بیان فرمائی ہیں یا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جو اسماء باری تعالیٰ کے مضمون پر مثالیں بیان فرمائی ہیں ان کو اس شان کے مطابق سمجھیں جو شان خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات پر اطلاق پا سکتی ہے۔ ورنہ آپ تضادات کی دنیا میں کھوئے جائیں گے اور خدا میں کوئی تضاد نہیں۔ اور اگر خدا میں تضاد نہ ہو اور آپ کے ذہن میں خدا کی ذات میں تضاد بڑھے تو اتنا ہی آپ خدا سے دور ہٹتے جائیں گے اس لئے یہ مضمون بہت ہی اہمیت رکھتا ہے کہ آپ اللہ کی ذات کے متعلق اپنے خیالات کو تضادات سے پاک کریں چنانچہ اسی کی مثال ایک میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا۔ مسلم کتاب التوبہ باب فی الحض علی التوبہ یعنی مسلم کی کتاب توبہ سے یہ حدیث لی گئی ہے جس کا باب ہے توبہ پر لطف اٹھانا:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ: قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ حَیْثُ یَذْکُرُنِیْ وَاللّٰہِ لَلّٰہُ اَفْرَحُ بِتَوْبَۃِ عَبْدِہٖ مِنْ اَحَدِکُمْ یَجِدُ ضَالَّتَہٗ بِالْفَلَاۃِ وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ بَاعًا وَاِذَا اَقْبَلَ اِلَیَّ یَمْشِیْ اَقْبَلْتُ اِلَیْہِ اُھَرْوِلُ (مسلم کتاب التوبہ باب فی الحض علی التوبہ)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انا عند ظن عبدی بی" میں اپنے بندے کے لئے اس کے ظن کے مطابق بن جاتا ہوں۔ اس حدیث کا میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا اب دوسرے تعلق میں بھی اس حدیث کا ذکر کر رہا ہوں کہ اللہ اپنے بندے کے ظن کے مطابق ہو جاتا ہے پس ایک ہی مثال ہو وہ کئی قسم کے ظن پیدا کر سکتی ہے اگر اللہ کی ذات سے حسن کا تعلق ہے اور سچائی کا تعلق ہے تو اللہ اس بندے کے وجود میں، اس کے تصور میں، ایک حسین ذات کے طور پر جلوہ فرماتا ہے۔ اگر وہ تصور ناقص ہے تو پھر ایک بیمار ذات کے طور پر، ایک کمزور ذات کے طور پر اس کے دل میں اترتا ہے حالانکہ خدا کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

تو در اصل بعض تبدیلیاں جو ہمیں دکھائی دیتی ہیں وہ مخلوق کی تبدیلیوں کے نتیجے میں ہیں۔ ان کے حوالے سے ہیں پس خدا کسی کو اچھا دکھائی دے رہا ہو تو اللہ فرماتا ہے میں اس کے لئے اچھا بن جاتا ہوں کوئی کسی کو برا دکھائی دے رہا ہے تو اس کے لئے فرماتا ہے کہ میں برا بن جاتا ہوں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کی ذات ہمارے تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ اب یہ ایک الگ مضمون ہے۔ اسلئے ان باتوں کو سمجھتے وقت تمام باریک راہوں سے واقف ہونا ضروری ہے ورنہ انسان کسی مقام پر بھی ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ تصور میں ایک ذات بنائی جائے اور وہ تصور کی ذات بن کر اترے تو اس کے اندر کچھ بھی تبدیلیوں کی طاقت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ تصور کی پیداوار نہیں ہے بلکہ تصور کے مطابق سلوک فرماتا ہے یہ دو مختلف باتیں ہیں تو ذات وہی ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں خواہ ہم اسے اچھا سمجھیں خواہ برا سمجھیں، خواہ تھوڑا اچھا سمجھیں یا زیادہ اچھا سمجھیں، ذات باری تعالیٰ میں کوئی تبدیلی نہیں۔ لیکن ہمارا فانوس جو بدلتا ہے اس سے شمع کے رنگ بدلتے ہیں فانوس کا شیشہ جیسا ہو، جس طرح گردش کر رہا ہو، جس شکل کا وہ بنا ہوا ہو، اس قسم کی روشنی کے اثرات ہمارے ایوان میں پھیل جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کا تعلق انسان کی بھلائی اور بہبود کے لئے بے حد ضروری ہے اور اگر اس تعلق میں بدظنی پیدا ہو جائے تو واقعۃً انسان بہت سی خوبیوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی مضمون میں حضرت زکریا کی دعا کا قرآن میں ذکر ملتا ہے وہ دعا کرنے کے بعد، عرض کرنے کے بعد کہ میں ایسا ہو گیا، میں ایسا ہو گیا، بچے کی امید نہیں، نہ توں سے تیرے حضور دعا کر رہا ہوں، پھر عرض کرتے ہیں "ولم اکن بدعائک رب شقیا" (مریم: ۵)۔ کہ اے میرے اللہ اتنی لمبی دعاؤں کے باوجود باوجود اس کے کہ مجھے اپنے بچے کی کوئی ظاہری امید نہیں، میں ایسا بدبخت نہیں کہ تجھ سے دعا کرتے ہوئے مایوس ہو جاؤں۔ اب دیکھیں حسن ظن تھا جس نے اثر دکھایا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ میرا بندہ مجھ سے بدظن نہیں ہو سکتا تو میں کیوں اس کے حسن ظن کو بیچارہ کر دکھاؤں۔ چنانچہ بلا تاخیر خدا تعالیٰ ایک بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے اور بیٹا بھی ایسا جس کے نام کی کوئی مثال اس سے پہلے دنیا نے نہ کبھی دیکھی نہ سنی "اسمہ یحیٰی" اس کا نام خدا نے یحیٰی رکھا اور فرمایا ایسا نام ہے کہ جیسے تیری دعا بے مثل بھی ویسے یہ نام بھی بے مثل عطا کیا جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اوپر ظن رکھنا اور صحیح ظن رکھنا یہ در اصل حسن ظن رکھنے کے مترادف بات ہے، ایک ہی بات کے دو معنے ہیں۔ کیونکہ اسماء حسنیٰ ہیں اس کے۔ تمام اسماء حسین ہیں تمام صفات دلکش اور خوبصورت ہیں۔

پس جب میں کہتا ہوں حسن ظن، تو یہ مراد نہیں ہے کہ ہم بعض دفعہ کسی آدمی پر وہ برا بھی ہو تو حسن ظن کر لیتے ہیں کہ اچھا ہوگا۔ حسن ظن کے سوا کوئی ظن خدا پر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر ہوگا تو غلط ہوگا پھر اس لئے اسماء حسنیٰ نے بتا دیا صرف حسن ظن ہی اس پر چل سکتا ہے اور کوئی ظن اس پر چل ہی نہیں سکتا اور جب حسن ظن ہوگا تو اللہ اسی حسن اور اسی شان کے ساتھ آپ پر جلوہ گر ہوگا۔ اسی طرح آپ سے

حسن سلوک فرمائے گا اور جہاں ظن میں کجی آ گئی، اللہ کج تو نہیں ہو سکتا لیکن اس سے سلوک میں اسی حد تک فرق ڈال دیتا ہے۔ اور یہ معنے ہے "انا عند ظن عبدی بی" کہ میں اپنے بندے کے ظن کے مطابق ہو جاتا ہوں۔

اب اس سلسلے میں جہاں آگے بڑھنا، قریب ہونا، دور ہٹنا، دوڑنا، ٹھہرنا، یہ ساری مثالیں جو بیان فرمائی گئی ہیں، یہ اس پس منظر میں سمجھیں تو آپ کے لئے کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہوگی۔ آپ فرماتے ہیں جہاں بھی وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ یعنی فاصلہ ہی کوئی نہیں ہے یہ جو بیان فرمایا ہے یہ ایک بہت ہی اہم حکمت کی بات ہے آئندہ حدیث کو سمجھنے کی چابی اس بات میں ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی عارفانہ شان اس بات سے ظاہر ہوتی ہے جو بات بیان کرنا چاہتے تھے ہو سکتا تھا کہ کسی کو اس سے غلط فہمی ہو جائے اس لئے پہلے غلط فہمی کے دروازے بند کئے ہیں۔ پھر آگے چلے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو امثلہ قرآن کریم میں بیان فرمائی ہیں یا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جو اسماء باری تعالیٰ کے مضمون پر مثالیں بیان فرمائی ہیں ان کو اس شان کے مطابق سمجھیں جو شان خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات پر اطلاق پا سکتی ہے ورنہ آپ تضادات کی دنیا میں کھوئے جائیں گے اور خدا میں کوئی تضاد نہیں۔

پہلے فرمایا کہ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے یاد رکھو میں ساتھ ہوتا ہوں میرے درمیان اور مخلوق کے درمیان کوئی فاصلہ ہے ہی نہیں۔ لیکن اب جو فاصلے کی باتیں کروں گا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں کہیں ہوں اور کہیں نہیں ہوں چنانچہ فرمایا میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اتنا خوش ہوتا ہے کہ اتنا خوش وہ شخص بھی نہیں ہوتا جسے جنگل بیابان میں اپنی گم شدہ اونٹنی مل جا[ئے]۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ خوش ہوتا ہے کا حوالہ ایک ایسے وجود کے تعلق میں دیا ہے جس کا وہ سب کچھ ضائع ہو گیا جس پر اس کی زندگی کی بنا ہے۔ اور جب ملا ہے ایسا کھوکا انسان، ایسا پیاسا انسان، جو صحرا میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے، ایسے جب وہ گم شدہ اونٹ ملا ہے یا اونٹنی ملی ہے تو وہ سب کچھ مل گیا جو اس کی زندگی کی ضرورت تھی اس کے بغیر وہ رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ اور اس کی فنا تھی اگر وہ چیز نہ ملتی۔ اس کا وجود قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر وہ اس کھوئے ہوئے کو نہ پاتا۔ اس پر جو اس کی خوشی ہے وہ ایک بے مثل خوشی ہے اور اللہ کی شان دیکھیں کہ اپنی مثال اس بندے کی سی بیان کرتا ہے، وہ بندہ جو توبہ کر لیتا اور گناہوں سے واپس خدا کی طرف آ جاتا ہے فرماتا ہے کہ اس کو پانے سے مجھے ویسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسے ایک صحراء میں دھوپ میں درخت کے سائے تلے بیٹھے ہوئے انسان کو ہوتی ہے جو ستانے کے لئے سوتا ہے، آنکھیں کھولتا ہے تو اونٹنی غائب ہے اس کا سارا سامان اس پر لدا ہوا ہے اس کے سفر کی ضرورت اس اونٹنی میں موجود، وہ اونٹنی ہو تو وہ سفر کر سکتا ہے۔ اس کا پانی اس کا کھانا پینا ہر چیز اس میں ہے۔ تو گویا اپنی جان کھو دی۔ وہ حسرت کے ساتھ بیٹھا دیکھ رہا ہے اس کا کچھ بھی بس نہیں تو اچانک اس کو وہ اونٹنی اپنی طرف آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے جیسی خوشی اس کو ملتی ہے اس کی زندگی کی ہر ضرورت مل گئی، اس کی جان اس کو دوبارہ مل گئی۔ اتنی خوشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ مثال دے کر فرماتا ہے میرا بندہ جب توبہ کر کے میری طرف آتا ہے مجھے ویسی ہی خوشی ہوتی

ہے حالانکہ اس کے جانے کا نقصان ہی کوئی نہیں تھا خدا کی ذات کے ساتھ اس کا یہ تعلق نہیں تھا کہ اگر وہ نہ ملتا تو خدا تعالیٰ کا کچھ حصہ کھویا جاتا یا اس کی ذات کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق ہوتا۔

اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ ساری کائنات بھی اگر میری احسان فراموش ہو جائے اور مجھے بھلا دے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو یہ خوشی NOBILITY کی خوشی ہے۔ یہ نہایت ہی اعلیٰ عظیم کردار کی خوشی ہے جس کی مثال ہمیں انسان میں مل ہی نہیں سکتی سوائے اس کے کہ قریب تر مثال انبیاء میں ملتی ہے اور اس کا جانا کیا، اس کا واپس آنا کیا، لیکن چونکہ اللہ محسن ہے اور اس کے احسان کا تقاضا تھا ایک ذرے میں بھی اگر کچھ بافت ہو جائے۔ اس کو کچھ مل جائے تو اللہ کا یہ احسان ہے اس پر گویا اس نے اس کو نہیں پایا اس نے اللہ کو پایا ہے اور طرز بیان یہ ہے کہ میں نے سب کچھ پا لیا۔ یہ بھی حسن و احسان کا ایک معراج ہے اس سے بالا حسن و احسان تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ پایا اس نے جس نے خدا کو کھو کر سب کچھ کھویا اور خدا یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے سب کچھ پا لیا، گویا میرا سب کچھ کھویا گیا تھا۔ یہ جو لطف ہے اس میں کوئی ہیجان نہیں ہے۔ یہ ایک دائمی نجات کا لطف ہے ایک حسن و احسان کا ایک ایسا جلوہ ہے جسے ہمیشگی حاصل ہے اور ہمیشہ اسی طرح ہی یہ جلوہ خدا تعالیٰ کی مخلوقات پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

پس جنتوں کا دوام بھی اسماء باری تعالیٰ پر غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کیوں خدا کے بعض ایسے بندے ہیں جن کے متعلق فرماتا ہے "خالدین فیہا" نعمتوں اور جنتوں میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ کیونکہ اس سے پہلے اس دنیا میں انہوں نے اپنی صفات کو خدا کی ہمیشگی کی صفات کے قریب تر کر دیا تھا۔ اور خدا کی ہمیشگی کی صفات اس کے حسن و احسان کی صفات کے ساتھ ایک جان ہیں۔ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور یہ حسن و احسان اتنا بالا ہے عارضی چیزوں سے۔ وہ چیزیں جو وقت کی غلام ہیں کہ ان کے ہونے نہ ہونے سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا یہ اپنی ذات میں جاری رہتا ہے لیکن اگر آپ خدا کے ایسے محسن بندے بنیں کہ ہر ضرورت کو پورا کرنے پر آپ کو لطف آئے اور ایسا لطف آئے جیسے گویا آپ کی ضرورت پوری ہو رہی ہے۔ یہ پیغام ہے اس مثال کا جو سمجھیں تو پھر اسماء باری تعالیٰ پر غور کا کچھ لطف بھی ہے اور اسماء باری تعالیٰ پر غور سے فائدہ بھی ہے۔ ورنہ خالی زبان سے رٹ لینا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اور واقعہ یہ ہے کہ انبیاء اسی سے طاقت پاتے ہیں اسی سے ان کو استقامت ملتی ہے، ان کو احسان کا مسلسل لطف رہتا ہے یہ نہیں کہ وہ بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ دنیا ان کو مصیبت میں مبتلا دیکھتی ہے لیکن اللہ کا قرب نصیب ہونے کی وجہ سے ان کو احسان کا لطف آتا ہے، ناشکری پر بھی احسان کا لطف آتا ہے کیونکہ اور بھی انکی عظمت کردار ابھرتی ہے

ایک شخص احسان کرتا ہے اس کے احسان کا شکریہ ادا کیا جا رہا ہے ایک شخص احسان کرتا ہے اس کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کیا جا رہا۔ ایک شخص وہ ہے جس کو گالیاں دی جا رہی ہیں، اذیتیں پہنچائی جا رہی ہیں، تب بھی وہ احسان کر رہا ہے۔ اب ان کے لطف میں بڑا فرق ہے۔ وہ جو آخری صورت ہے اسکی کوئی مثال نہیں اور کوئی احسان کا مضمون اس کے ساتھ مماثلت نہیں رکھتا یہ بلند ترین مضمون ہے احسان کا۔ یہ احسان اگر پیدا ہو جائے تو پھر آپ ذات باری تعالیٰ کے اسماء کے قریب تر پہنچ جاتے ہیں یعنی جتنا بھی قریب ہونا خدا نے ہماری خلقت میں مقدر کر رکھا ہے اس سے زیادہ ہم قریب نہیں ہو سکتے۔ مگر جب آپ اتنا قریب ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کو وہ خلود مل جاتا ہے جو جنت کی صفت ہے اور اہل جنت کو جنت میں عطا ہو گا کیونکہ صفات باری تعالیٰ کا لطف ہر حال میں ان میں موجود ہے، ہر حالت میں وہ لطف اٹھا رہے ہیں، کیونکہ

وہ احسان اپنی ذات میں ایک ایسا حسن ہے کہ اس سے احسان کرنے والا خود بھی لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ زیادہ لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ سب سے زیادہ حسن کو وہ جانتا ہے جس کے اندر سے حسن پھوٹ رہا ہے۔

اسی تعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم الغیب کی ایک ایسی تفسیر فرمائی جس کی کوئی مثال آپ کو کہیں اس سے پہلے دکھائی نہیں دے گی آپ نے فرمایا عالم الغیب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات کو بس خود وہی جانتا ہے کہ میں کیا ہوں۔ ہر دوسرے سے غیب میں ہے۔ وہ اللہ سے غیب میں نہیں۔ تو جس کی نظر اپنے حسن پر ہمیشہ ہو اس کو لہو و لعب کی ضرورت کیا ہے کیونکہ حسن میسّر ہو تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ وقت اپنی ذات میں مجسّم لطف بن جاتا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ جب فرماتا ہے کہ ہمیں لاعبین کی ضرورت نہیں ہے کہ "لاعبین" بن کر زمین و آسمان کو پیدا کرتے تو دراصل خدا چونکہ حسن ہے اور محسن ہی کا مجموعہ صفات ہے اس پہلو سے جب اس کی اپنے حسن پر نظر رہتی ہے تو ہر دوسری بدزیبی اور کراہت جو باہر سے دکھائی دیتی ہے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور ابد میں اس کا دوام ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عجیب عارفانہ نکتہ ہمارے ہاتھوں میں تھما دیا اس پر غور کریں تو خدا تعالےٰ کی ذات و صفات اور ان صفات کا وقت سے تعلق سمجھ آجاتا ہے وہ ایک ایسا حسن ہے جس پر اور کسی کی نظر نہ ہو تو تب بھی فرق نہیں پڑتا وہ مجسم اپنے حسن میں مگن ذات ہے اپنے حسن سے اس کا علاقہ ایسا ہے کہ اس کو کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "وما خلقنا السماء والارض وما بینھما لاعبین" ہم نے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اسے لاعب کے طور پر پیدا نہیں کیا یعنی اپنا وقت گزارنے کی خاطر کوئی بہتر مصرف نہیں تھا اور کوئی کام نہیں تھا اس لئے ہم نے زمین و آسمان کو پیدا نہیں کیا۔

"لو اردنا ان نتخذ لھوًا لاتخذنٰہ من لدنا ان کنا فاعلین" (الانبیاء : ۱۸) اگر ہم نے کوئی لہو پسند کی ہوتی تو ہماری ذات میں سب کچھ ہے۔ اپنی ہی ذات سے وہ چیز پیدا کرتے کسی اور کے حوالے کی ضرورت ہی کوئی نہیں تھی پس یہ وہ غیب کو جاننے کا مضمون اس آیت کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب فرمایا کہ وہ غیب کو جانتا ہے۔ اول معنی اس کا یہ ہے کہ اپنی ذات کو وہ جانتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اس کی ذات کے کمالات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تو حسن کا یہ ادراک جو خدا کو ہے یہ اس کو ہر دوسری چیز سے مستغنی کر دیتا ہے اور حسن اپنی ذات میں ہی مگن رہتا ہے اس کو کسی اور کی تعریف کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پس اللہ تعالےٰ کے اندر جو یہ ایک عظیم الشان صفت ہے اپنی خوبیوں میں مگن ہو جانا، اپنی خوبیوں سے لطف اندوز ہونا، یہی نجابت کی تعریف ہے یہی شرافت کی تعریف ہے، اور اس کے بعد ان خوبیوں کو دکھا کر لطف میں اضافہ نہیں ہوا کرتا بلکہ لوگوں کو دیکھنے، تعریف کرنے، پسند کرنے ناپسند کرنے سے یہ بالا ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں سچا نیک وہ ہے جس کو دکھاوے سے کوئی غرض ہی باقی نہ رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کسی نیکی کے کسی قسم کے دکھاوے سے کوئی غرض ہی نہیں تھی۔ کوئی اگر سمجھتا ہے تو اس کا اپنا فائدہ ہے اور اگر کوئی نہیں سمجھتا تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کا کبھی کوئی نقصان نہیں تھا۔ اس لئے اپنی ذات کو ابھار کر دکھانے کی آپ کو ضرورت پیش نہیں آئی۔

صرف ایک اس پہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ پھر اللہ نے اپنی ذات کو کیوں دکھایا۔ چنانچہ احادیث میں ملتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث کا حوالہ دیا ہے اپنے ایک ارشاد میں "کنت کنزًا مخفیًا فاحببت ان اعرف" اور دوسری جگہ فرمایا کہ میں کنز مخفی تھا، میں چھپا ہوا تھا، مستور خزانہ تھا۔ "فاردت ان اعرف" تو میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، دیکھا جاؤں۔ اور اس کی کسی ذات کے دکھاوے سے تعلق نہیں کیونکہ خزانہ بھی دیکھا جاتا تو اس کے ذاتی لطف میں کوئی فرق نہیں ورنہ یہ کیوں کہا کہ میں مخفی خزانہ تھا۔ مخفی ہوا ہی کیوں پھر۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ساتھ ہی ایک اور حدیث بھی رکھ دی جس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے چاہا کہ میرا خلیفہ بنے تو میں نے آدم کو پیدا کر دیا۔ تاکہ وہ خلیفہ بن جائے "اردت" میں نے ارادہ کیا یا چاہا "ان استخلف" کہ میں اپنا خلیفہ بناؤں "فخلقت آدم" پس میں نے آدم کو پیدا کیا تو دراصل اپنی ذات کی طرح کے ملتے جلتے وجود پیدا کرنا دکھاوے کی خاطر نہیں ہوا کرتے بلکہ احسان کا یہ بہترین انداز ہے۔ اسی لئے رحمان سے ہر قسم کی تخلیق پھوٹی ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ماں بچہ پیدا کرتی ہے تو اپنے جیسا پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنے جیسا وجود یعنی خود بخود کائنات میں خدا تعالےٰ نے ایسی حکمتیں رکھ دی ہیں کہ ہر چیز جو پیدا کرتی ہے اپنے جیسا ہی پیدا کرتی ہے۔ یعنی ماں ارادۃً تو نہیں کرتی مگر ہوتا ایسا ہی ہے۔ اب جو اپنے جیسا پیدا کرتی ہے تو اس پر جو پیدا ہوا ہے اس کا کوئی احسان نہیں۔ لیکن جس نے پیدا کیا ہے اس نے احسان کیا ہے مگر اس لئے نہیں کہ وہ بچہ اس کو پہچانے۔ بچہ نہ بھی پہچانے تب بھی وہ محسنہ ہی رہتی ہے بچہ حسن کا بدلہ بدی سے دے تب بھی وہ محسنہ ہی رہتی ہے پس پہچانے جانے کی خاطر ان معنوں میں نہیں کرتی کہ وہ اگر بچہ پیدا ہو اور اس پر پھر وہ احسان کرے اور اس کا پہچاننا اس کی ذات میں ایک اعلیٰ قدر پیدا کر دے یا لطف کا احساس بڑھا دے، ہرگز یہ مقصد نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق چونکہ رحم سے ہے رحمان سے ہے اس لئے اس کے اندر خدا کی وہ صفت، جلوہ گر ہو جاتی ہے جو ماں کے حوالے سے ہمیں خدا کی صفت کو سمجھنے میں بھی زیادہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ایک ماں کے متعلق جو آتا ہے کہ اس کا اپنی بہو سے اختلاف تھا، جھگڑا تھا، اور بہو گندی اور ظالم عورت تھی۔ اس نے ہر طرح سے اذیتیں پہنچائیں لیکن اپنے بیٹے کی خاطر وہ صبر کرتی رہی یہاں تک کہ بہو نے اپنے خاوند سے کہا کہ اگر تم مجھ سے سچی محبت کرتے ہو تو اپنی ماں کا سر کاٹ کر میرے سامنے طشتری پر لا کے رکھو تب میں سمجھوں گی کہ واقعتہً تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو اس ظالم نے یہی حرکت کی۔ اب یہ تو کہانی ہے مگر اس کہانی سے ہمیں اللہ تعالےٰ کی ذات کا کچھ عرفان نصیب ہو جاتا ہے اور اسی تعلق میں یہ بات ہے جو میں بیان کر رہا ہوں۔ کہتے ہیں جب وہ سر کاٹ کے لے جا رہا تھا تو اس کو ٹھوکر لگی اور طشتری سے وہ سر زمین پر جا پڑا، بچہ بھی گرا، اس سر سے آواز آئی "میرے بچے تجھے چوٹ تو نہیں لگی"۔ یہ ماں کا جذبہ دکھانے کے لئے کہانی بنائی گئی ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ جب فرماتا ہے کہ میں ایسا خوش ہوتا ہوں جیسے گم شدہ اونٹنی کسی کو واپس مل گئی ہو۔ تو دراصل یہی مضمون ہے۔ پس "اعرف" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے بغیر خدا تعالےٰ کی کوئی حیثیت نہیں تھی بلکہ وہ اپنے جیسے وجود پیدا کر کے ان پر احسان کرتا ہے اور احسان کرنا ایک فطری چیز ہے جس طرح ماں کی فطرت میں بچہ پیدا کرنا ہے اور بچے کی تکلیف اس کو ہمیشہ تکلیف پہنچاتی ہے بچے کی خوشی سے وہ ہمیشہ خوش رہتی ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کے اوپر ان مثالوں کا اگر اطلاق ہوتا ہے تو محض اس حد تک جس حد تک خدا کی شان ہمیں اجازت دیتی ہے کہ ان کا اطلاق کریں اور ان کے اطلاق کے بغیر مضمون کی سمجھ ہی نہیں آسکتی نہ سمجھایا جا سکتا ہے کیونکہ "لیس کمثلہ شیئ" اس (اس) جیسا ہے ہی کچھ نہیں ہم سمجھیں گے کیا اس کو۔ پس اس مجبوری

کے پیش نظر یہ مثالیں بیان کرنی پڑتی ہیں اور ان مثالوں کے ذریعہ خدا کا جو عرفان دل میں پیدا ہوتا ہے وہ ہمیں خدا سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کا اہل بنا دیتا ہے اور ہم اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرنے کے بہتر اہل بن جاتے ہیں۔ پس اس پہلو سے یہ مضمون کا سلسلہ محض کوئی علمی ذوقی سلسلہ نہیں بلکہ ہماری ایک اشد ضرورت ہے جس کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ ابھی مجھے کچھ عرصہ اس کو جاری رکھنا پڑے گا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

(بشکریہ الفضل انٹرنیشنل لندن)

درخواست ہائے دعا

● والد محترم میاں ظفر احمد صاحب بانی اچانک PARALYTIC SHOKE سے بیمار ہوگئے بائیں ہاتھ اور پیر پر فالج کا اثر ہے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو شفائے کاملہ و عاجلہ اور صحت والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ اعانت بدر ۱۰۰/- (اظہر احمد بانی کلکتہ) ● مکرم سید تقی الدین احمد شاہ قادری ولد مکرم سید غلام الدین احمد شاہ قادری صدر جماعت احمدیہ سونگھڑہ مختلف مدات میں ۲۰۰/- روپے ادا کرتے ہوئے دینی و دنیوی مقاصد میں نمایاں کامیابی والد محترم جو بہت ضعیف اور اعصابی کمزوریوں میں مبتلا ہیں ان کی کامل صحت یابی نیز انکی والدہ مرحومہ کی بلندی درجات دیگر بھائی بہنوں کی مشکلات کے ازالہ کے لئے عاجزانہ درخواست دعا کرتے ہیں (سید شاھد احمد نمائندہ بدر مقیم چودوار) ● مکرمہ بیت اللہ بیگم صاحبہ کرڈاپلی اڑیسہ اپنی بیٹی عقیلہ بیگم اور نواسے نیز اہل و عیال کی صحت و تندرستی، دینی و دنیوی ترقیات کے لیے درخواست دعا کرتی ہیں۔ (عبدالوکیل نیاز قادیان) ● خاکسار کے پوتے عزیزم مسرت احمد نے تین سالہ کمپیوٹر سائنس ڈپلوما کورس میں کامیابی حاصل کی ہے۔ عزیز کے روشن مستقبل کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ (حضرت صاحب ھنڈا سگر نزیل عادل آباد۔ آندھرا) ● برادرم مکرم محمد سلیمان قریشی صاحب آف نئی دہلی ان دنوں سخت ابتلاء میں پڑے ہوئے ہیں جملہ پریشانیوں کی دوری کے لئے درخواست دعا ہے۔ (سید رشید احمد سونگھڑوی نزیل قادیان)

تیسری قسط

مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کے پروگرام "ملاقات"

دلچسپ مجلس سوال و جواب

مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کے پروگرام "ملاقات" مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۹۵ء میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بعض عمومی سوالات کے جوابات دیئے یہ دلچسپ سلسلہ سوال و جواب ادارہ بدر الفضل انٹرنیشنل کے شکریہ کے ساتھ اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے۔ اسے مکرم یوسف سلیم ملک صاحب نے مرتب کیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ (ادارہ)

توہمات کی پیروی انسانی فطرت کی کمزوری

اس سوال پر کہ بعض دفعہ لوگ کہتے ہیں کہ چشم بد دور! جس کا مطلب ہے کہ کوئی ایسی چشم بھی ہوتی ہے جو بد ہوتی ہے۔ حضور نے فرمایا اس کا اور کیا مطلب ہے۔ سائل نے عرض کیا کہ میرے ذہن میں تو یہ ایک محاورہ ہے۔ حضور نے فرمایا ہاں یہ ایک محاورہ ہے۔ کہ اللہ ہر بدی سے بچائے۔ یہ ضروری نہیں کہ دماغ میں اس وقت کسی کی چشم کا تصور ہو بلکہ عموماً جب اچھی چیز دیکھتے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ یہ قائم رہے اس کی حفاظت ہو مگر چشم بد کے متعلق ویسے آپ سوال کرنا چاہیں تو بے شک کریں۔ سائل نے عرض کیا بعض دفعہ لوگ بچوں پر دم کرواتے ہیں یہ کہہ کر کہ نظر لگ گئی ہے تو کیا یہ دم وغیرہ کرانا ٹھیک ہے۔ حضور نے فرمایا میرے علم میں تو کوئی بچہ نہیں ہے جس پر دم کیا گیا ہو اور وہ بیماریوں سے بچ گیا ہو۔ اس کا توہمات کی دنیا سے تعلق ہے اور وہ ایک الگ دنیا ہے اس کا یقین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ توہمات کی باتیں مختلف مزاج کے لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں جو مختلف وہموں میں مبتلا رہتے ہیں

دراصل سوسائٹی جتنی بھی توحید سے دور ہوتی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ توہمات کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس بات کو تو غالب نے بھی سمجھ لیا تھا حالانکہ وہ ایک شاعر تھا مگر کہتا تھا میں شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی بھی ہوں۔ بعض جگہ اس کے صوفی ہونے کی شہادتیں بھی ملتی ہیں۔ وہ کہتا ہے

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

یعنی ہم تو موحد لوگ ہیں۔ ہماری بنیادی اغراض و مقاصد میں یہ بات داخل ہے گویا کہ ہماری عادت مستمرہ ہے کہ ہم رسوم کو توڑ دیں گے یہ دم وغیرہ رسوم میں شامل ہیں۔ کہتا ہے واقعہ یہ ہے کہ جب ملتیں مٹتی ہیں تب ایمان کے اجزاء بکھر کر کچھ یہاں رہ جاتے ہیں کچھ وہاں چلے جاتے ہیں۔ اور بکھرے ہوئے اجزاء دراصل امت کا بکھرا ہوا شیرازہ ہوتا ہے اور اسی سے توہمات پیدا ہوتے ہیں۔ پس کتنا عمدہ مضمون ہے جو اس نے ایک تاریخی حقیقت اور انسانی فطرت پر غور کر کے باندھا ہے اور یہ بالکل حقیقت ہے۔ ایسے شعروں سے لگتا ہے کہ وہ واقعی صوفی بھی تھا۔

ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق ایک دوست کے بڑے پیچیدہ سے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضور نے فرمایا جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے غیب ہونے کی بات کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ اس کی سوچ کی پہنچ سے باہر ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارہ میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ حصہ غیب کا نہیں وہ خدا تعالیٰ کی صفت حاضر سے متعلق ہے۔ خدا تعالیٰ صرف غیب تو نہیں ہے وہ حاضر بھی ہے۔ کسی علمی ذریعہ سے انسان غیب کو حاصل نہیں کر سکتا البتہ اس کو حاصل کر سکتا ہے جس کے شواہد حاضر میں موجود ہیں اور اس پر "انفسکم" کا ذکر ہے اور آفاق کا ذکر ہے کہ جب تم آفاق کو دیکھو گے اور اس پر غور کرو گے انفس پر غور کرو گے تو وہاں خدا کی ہستی کی غیب کی نہیں بلکہ اس کے حاضر وجود کے شواہد نہیں ملیں گے لیکن "فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول" (الجن: ۲۷) سے پتہ چلتا ہے کہ غیب کو انسان براہ راست کسی ذریعہ سے معلوم نہیں کر سکتا لیکن چونکہ خدا کی ہستی کے ثبوت اس کو کائنات میں اور اپنے نفس پر غور کرنے سے مل چکے ہوتے ہیں اس لئے خدا کی غائبانہ طاقتوں اور غائبانہ حالتوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

جہاں تک ان دلائل کا تعلق ہے جو مرنے کے بعد کی زندگی کے بارہ میں ہیں تو وہ تو قرآن کریم میں کثرت سے موجود ہیں اس لئے وہ غیب۔ کا یقین اس طرح نہیں ہے بلکہ ان دلائل کی بناء پر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ربنا ما خلقت ھذا باطلا"

(آل عمران: ۱۹۲)

اس میں ایک دلیل ہے۔ اس لئے وہ لوگ ایمان نہیں رکھتے بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم نے مر کر ختم نہیں ہو جانا ورنہ یہ کائنات باطل ہو جائے گی۔ یہ کائنات اتنے گہرے فلسفے پر مبنی ہے کہ اس میں ایک باشعور پلاننگ موجود ہے۔ ایک ایسا منصوبہ ہے جو تخلیق سے بھی بہت پہلے سے معلوم ہوتا ہے بلیو پرنٹ کی شکل میں بنایا

گیا ہے اور پھر تخلیق نے اس کی متابعت کی ہے۔ یہ سب باتیں اچانک ختم ہونے کو تسلیم کرنے میں مانع ہیں۔ اس لئے یہ جو چیزیں ہیں ان کے متعلق قرآن کریم نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے مثلاً آخرت کے یقین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبہم و یتفکرون فی خلق السمٰوات والارض"

(آل عمران: ۱۹۲)

یہاں غیب کی بحث نہیں ہو رہی بلکہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو تفکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں ان کے دل سے بے اختیار یہ آواز نکلتی ہے "ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار" اور عذاب النار آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ پس عذاب النار سے فوراً پناہ مانگنا بتاتا ہے کہ ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد ہمارا حساب ہوگا اور مرنے کے بعد ہم ختم نہیں ہوں گے ورنہ یہ جہان باطل سمجھا جائے گا۔

پس یقین علم کی بناء پر حاصل ہوتا ہے۔ آپ "علم الیقین" پڑھتے ہیں "عین الیقین" پڑھتے ہیں علوم کا مختلف شکلوں کا یقین سے تعلق ہے اور غیب کا تعلق ایک ایسے دائرہ سے ہے جس تک آپ کی رسائی الہام کی وساطت کے سوا ممکن ہی نہیں ہے جب خدا کسی غیب کو حاضر میں تبدیل کرتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں جب تک وہ ایسا نہیں کرتا اس وقت تک ہر چیز کلیۃً معدوم ہے۔ اب یہی تصور جو تھا کہ اسی دنیا میں جنت اور جہنم بھی ہے اس کو کوئی انسان نہیں پا سکتا تھا جب تک کہ خدا کی طرف سے خبر نہ ملتی۔ اور اس خبر کے نتیجہ میں ہمیں یہ یقین ہوا ہے کہ موجود ہے۔ پس علم الغیب کو علم الحاضر میں تبدیل کرنے کا ذریعہ وحی ہے۔ اور نامعلوم باتوں کا تفحص کرکے ان پر یقین کرنے کا ذریعہ عام علمی جستجو ہے جو حاضر میں موجود ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے جو ابھی حاضر نہیں ہے، بعد میں آنے والا ہے، استدلال کے طور پر ہم اس کا یقین حاصل کرتے ہیں۔ علم کے ساتھ یقین کا ایک تعلق ہے اور استدلال کا بھی تعلق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے دھواں اٹھتا دیکھتے ہو تو تمہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ نیچے آگ ضرور ہے لیکن یہ علم الیقین ہے اور عین الیقین نہیں۔ جب تم جستجو کرکے وہاں پہنچتے ہو اور آگ کو دیکھ لیتے ہو تو یقین ہو جاتا ہے کہ آگ موجود تھی اسی سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ ورنہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آگ جل کر بجھ بھی چکی ہو اور دھواں ابھی فضا میں ہرا رہا ہو۔ تو یہ عین الیقین ہے لیکن اس آگ کی کیفیت کو مثلاً گرمی کو جب تک محسوس نہ کرو۔ انگلی ڈالنے کی کوشش کرو خود وہ جلائے نہ، اس وقت تک حق الیقین نہیں ہو سکتا۔ پس یقین علم کی مختلف قسموں کا نام ہے۔ اور وہ لوگ جو آخرت کے تصور سے گناہوں سے رکتے ہیں وہ اول درجے کے لوگ ہیں، جن کو حق الیقین ہو جاتا ہے اور وہ حق الیقین کے لئے اس دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا کے نمونے دیکھتے ہیں۔ جزا اور سزا کا ایک مضمون اس دنیا میں ان کو نظر آتا ہے اور بعض لوگ اس کو محسوس بھی نہیں کرتے۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ حس دے دیتا ہے کہ اپنے روزمرہ کے واقعات میں کبھی کوئی کوتاہی ہو تو خدا تعالیٰ کی طرف سے جزا کا اتنا قطعی ثبوت ملتا ہے یعنی نیکی ہو تو اس کے بدلے میں جزاء کا اور بدی کی صورت میں سزا کا، کہ وہ لوگ جو ان شواہد سے گزرتے ہیں ان کو قیامت پر حق الیقین ہو جاتا ہے اور یہ یقین ان کو گناہ سے باز رکھتا ہے۔

امام مہدی کے انکار کی اصل وجہ

امام مہدی کے بارہ میں مولوی مودودی صاحب کے موقف کا خلاصہ تبصرہ کے لئے پیش ہوا کہ مہدی کے نام سے دین میں کوئی خاص منصب قائم نہیں کیا گیا جس پہ ایمان لانا ویسا ہی ضروری ہو جیسا انبیاء پہ ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ جن امور پہ انسان کی نجات کا مدار ہے ان کو پوری صراحت کے ساتھ قرآن کریم نے بیان کر دیا ہے۔ امام مہدی کا ذکر ہمیں قرآن کریم میں کہیں نہیں ملتا۔ انبیاء کے زمرہ میں بھی امام مہدی نہیں آتے کیونکہ انبیاء کی صفت قرآن کریم میں ہادی بیان کی ہے مہدی کا نام کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔

حضور نے فرمایا اگر مودودی صاحب نے واقعۃً یہ لکھا ہے تو بالکل جھوٹ بول رہے ہیں، قرآن پر افتراء باندھ رہے ہیں۔ قرآن نے کبھی بھی انبیاء کو ہادی بیان نہیں فرمایا بلکہ مہدی بیان فرمایا ہے۔ سورہ انبیاء میں مثلاً واضح طور پر انبیاء کی فہرست بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وجعلنٰھم ائمۃ" ہم نے ان سب کو امام بنایا "یھدون بامرنا" وہ ہمارے امر سے ہدایت دیتے تھے۔ اور جو امر پاکر ہدایت دے وہ مہدی ہوتا ہے اور جو اپنی طرف سے ہدایت دے وہ ہادی ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے "یھدون بامرنا" کہہ کر ان کو مہدی قرار دیا ہے۔ "واوحینا الیھم فعل الخیرات و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عابدین"

(الانبیاء: ۷۴)

کہ ہم نے ان پر وحی کی اور اچھی باتوں کے معاملات ان کو سمجھائے اور نماز قائم کرنے اور صدقہ و خیرات کے معاملات ان کو سمجھائے اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔ وہ ہم سے جو باتیں سیکھتے تھے وہی آگے بیان کرتے تھے۔

پس ایسا شخص جو ہدایت پانے کے بعد ہدایت دے اس کو مہدی کہتے ہیں کیونکہ "یھدون بامرنا" اور "ائمۃ" کے لفظ میں یہ مفہوم پایا جاتا ہے کہ خدا امام بناتا ہے۔

پس امام مہدی کی اصطلاح قرآن کریم میں سوائے انبیاء کے اور کسی کے اوپر استعمال نہیں ہوئی۔ اگر کسی اور کے اوپر استعمال ہوئی ہے تو نکال کر دکھا دیں۔ جہاں بھی اس آیت کا مضمون بیان ہوا ہے انہی دو شرطوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور نبیوں کے سوا کوئی اور بات خدا تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائی۔

پس یہ لوگ قرآن کریم پڑھتے نہیں۔ ان کو پتہ ہی نہیں کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے بات بنا ہی نہیں سکتے تھے اتنا بھی ان لوگوں کو ایمان نہیں۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے "وما ینطق عن الھویٰ ○ ان ھو الا وحی یوحیٰ ○" (النجم: ۴، ۵) کہ محمد رسول اللہ ؐ کا مقام یہ ہے کہ اپنی طرف سے ایک ادنیٰ سی بات بھی بیان نہیں کرتا اور نہ بولتا ہے۔ "ان ھو الا وحی یوحیٰ" صرف وہی بات کہتا ہے جو وحی خدا کے ذریعہ اس پر کی جا رہی ہے اس کے سوا اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتا۔ پس مہدی کے متعلق بے شمار حدیثیں ہیں اور پھر ایسی علامتیں بیان کی گئی ہیں جو بعد میں پوری ہو گئیں ان کو مودودی دماغ جھوٹا سمجھے تو سمجھے ورنہ کوئی شریف النفس انسان اس کو جھوٹا کہہ ہی نہیں سکتا۔

"ان لمھدینا آیتین لم تکونا منذ خلق السمٰوات والارض" (سنن دار قطنی باب صفۃ صلوٰۃ الخسوف والکسوف وھیئتھما) کی حدیث کو دیکھیں کس شان سے ایک ہی شخص کے حق میں پوری ہوئی ہے جو مہدی ہونے کا دعویدار تھا اور اس کے زمانے میں یہ واقعہ ہو گیا۔ ساری تاریخ اسلام میں کہیں ایک بھی ایسا دعویدار مہدویت نظر نہیں آتا جس کے حق میں یہ نشان ظاہر ہوا ہو یا اس کا تصور بھی اس طرف گیا ہو کہ کہیں یہ نشان ظاہر ہو چکا ہے۔ اس لئے میں جو بات کر رہا ہوں تاریخ سے پوری چھان بین کے بعد کر رہا ہوں۔ تمام تاریخ کو کھنگالنے کے بعد ایک بھی مہدویت کا دعویدار ہمیں دکھائی نہیں دیا جس نے آسمان سے ظاہر ہونے والے ان دو نشانوں کا اپنے حق میں ذکر بھی کیا ہو۔

(باقی دیکھیں صفحہ ...)

بقیہ اداریہ صفحہ نمبر۲

کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ چنانچہ صاف پتہ چلتا ہے کہ موجودہ ہندو میرج ایکٹ کی دفعہ ۵ کلاز (ا ا) ظاہر کرتے ہیں کہ

۵۔ شادی کے وقت لڑکا اور لڑکی دماغی طور پر بالغ اور صحت مند ہوں۔

اسی دفعہ کی کلاز (ا ا) ظاہر کرتی ہے کہ:

ھ۔ "شادی کے وقت دولہا کی عمر ۲۱ سال اور دلہن کی عمر ۱۸ سال کی ہو دماغی حالت کی درستی اور بلوغت کی عمر کا تیقن۔ دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ شادی تب تک طے نہیں ہو سکتی جب تک لڑکا یا لڑکی بلوغت کی عمر کو پہنچ کر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کر دیں۔ اس سے ہندو شادی کا وہ پرانا اصول یکسر ٹوٹ کر مسلم لاء کی پناہ لیتا ہوا نظر آتا ہے جس میں بلوغت سے قبل کی شادی یا "بال وواہ" کو تسلیم کیا گیا ہے اس طرح SACRAMENT کی اس دیوار میں ہمیں ایسا شگاف پڑا ہوا نظر آتا ہے جس کے دوسری طرف مسلم شادی قانون CONTRACT کی شکل جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ و اتم اسلامی قانون نے جو آج سے چودہ سو سال قبل خدائے علام الغیوب کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ ہندو شادی قانون میں درج ذیل سدھار کئے ہیں۔

۱۔ شادی ابد الآباد کا بندھن ہرگز نہیں

۲۔ شادی ایک CONTRACT ہے جو

الف:۔ دو فریق کی باہمی رضامندی سے طے ہوتا ہے

(ب)۔ اس وقت طے پاتا ہے کہ جبکہ لڑکا اور لڑکی صحت مند دماغ والے ہوں اور اپنی مرضی ظاہر کر سکیں

(ج)۔ جبکہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ کر سوجھ بوجھ کے مالک ہو جائیں۔

اب بتایا جائے کہ شادی سے متعلق یہ سنہری اصول ہندو لاء نے اگر اسلام سے نہیں لئے تو پھر کہاں سے لئے ہیں

علاوہ اس کے ہندو شادی اصول SACRAMENT جس میں بدھسٹ جینی اور سکھ بھی شامل ہیں اس وقت بھی اس کی دھجیاں بکھر گئیں جبکہ ۱۹۵۵ء میں ہندو میرج ایکٹ کی دفعہ ۱۳ کے تحت طلاق کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے اور پھر دفعہ ۱۵ کے تحت طلاق کے بعد ہر دو فریق کو دوبارہ شادی کی اجازت دی گئی ہے۔ طلاق کے اصول کو تسلیم کر کے اور پھر دوبارہ شادی کے اصول کو مان کر ہندو مذہب کا یہ عقیدہ کہ شادی ایک ایسا اٹوٹ بندھن ہے جو دوسرے جنم میں بھی جاری رہتا ہے ایک کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ گیا اب بتایا جائے کہ ۱۹۵۶ء میں طلاق کا یہ قانون اسلامی شریعت سے نہیں لیا گیا تو کہاں سے لیا گیا؟

اسی طرح ہندو میرج ایکٹ میں جب بیوہ کی شادی کے اصول کو اپنایا گیا تو پھر اس بیوہ کا جو نئی شادی کرتی ہے اپنے پرانے خاوند کے ساتھ تعلق ٹوٹ گیا۔ جس کے ساتھ کبھی وہ اس عقیدہ کی بناء پر ستی ہو جاتی تھی کہ اسے اپنے مرے ہوئے خاوند کے ساتھ ہی دوسرا جنم مل جائے گا۔ بیوہ کی شادی کا قانون بنانے سے ہندو شادی کا یہ قدیمی عقیدہ تار تار ہو گیا کہ طلاق یا بیوہ کی شادی کو تسلیم نہیں کیا جانا چاہیئے کیونکہ ایک ہی میاں بیوی اس زندگی میں بھی اکٹھے رہتے ہیں اور اگلے جنم میں بھی وہ اکٹھے ہوں گے۔ اس نئے قانون کے مطابق تو اسے مرنے کے بعد دو یا دو سے زیادہ خاوندوں سے اکٹھے ہی زندگی گزارنی ہو گی۔

طلاق اور بیوہ کی شادی کے اس قانون میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے ہندو شادی قانون میں درج ذیل سدھار کئے ہیں۔

۱۔ شادی کو ابد الآباد کا بندھن ماننے سے عورت کو اپنے خاوند کے ساتھ آگ میں جلنا پڑتا تھا۔ چنانچہ مسلم قانون نے عورت کو زندہ جلنے سے بچا لیا۔

۲۔ طلاق کے قانون کے ذریعہ عورت کی باعزت زندگی کی حفاظت کی۔

۳۔ عورت کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے اُسے اپنی مرضی کا خاوند چننے کی اجازت دی۔

۴۔ بیوہ ہو جانے کے بعد اب وہ منحوس نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ دوبارہ شادی کر کے اپنا اور اپنے بچوں کی حفاظت کا انتظام کر سکتی ہے۔

علاوہ ہندو میرج ایکٹ کے اسلامی شریعت کے اکثر ہندو قوانین پر اور بھی بہت سے احسانات ہیں۔ جنہیں انشاء اللہ ہم آئندہ گفتگو میں ظاہر کریں گے۔ اور بتائیں گے اگر کبھی ہندوستان میں مشترکہ سول کوڈ کی بنیاد پڑی تو اس سے مراد کون سے ایسے قوانین ہو سکتے ہیں جو فطرتِ انسانی کو اپیل کرتے ہیں۔

(باقی)

=(مُنیر احمد خادم)=

بقیہ سوال و جواب:۔ قطع نظر اس کے کہ کوئی واقعہ ہوا بھی تھا یا نہیں کوئی ذکر بھی نہیں ملتا پس ان احادیث کے متعلق مودودی صاحب کیا کہتے ہیں کہ آیا کسی مفتری نے بنائی تھی نعوذ باللہ کہ چودہ سو سال کے بعد بڑی شان سے پوری ہو رہی ہے۔

پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مہدی کے بارہ میں تفصیل سے باتیں کرتے ہیں تو اس کو گزشتہ علماء نے مجموعی طور پر اس خیال سے رد نہیں کیا کہ چونکہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں اس لئے یہ حدیثیں جھوٹی ہوں گی۔ کسی نے ان حدیثوں کو اپنے اوپر چسپاں کیا کسی نے دوسرے پر چسپاں کیا مگر اس وجہ سے یہ حدیثیں رد نہیں کی گئیں کہ یہ مجوسی خیال ہے یا دوسرے خیالات ہیں جو باہر سے آ گئے۔ اب جب مہدی ظاہر ہو گیا تب یہ لوگ بولے ہیں اب بھاگنے کی خاطر یہ ایجادات ہیں۔ رستے ڈھونڈ رہے ہیں لیکن اللہ بھاگنے نہیں دیتا جو آیت ان کو نظر نہیں آ رہی وہ میں نے دکھا دی ہے۔ قرآن کریم میں ہدایت دینے والوں کا ذکر نہیں ملتا، ان کا ذکر ملتا ہے جو پہلے اللہ تعالیٰ سے ہدایت یافتہ ہوں پھر آگے بات کریں اور انہیں کو مہدی کہتے ہیں۔ اور ساتھ آئمہ کا لفظ بھی لگا دیا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایسا کوئی انسٹی ٹیوشن دکھائی نہیں دیتا جس کا انکار یا اقرار ضروری ہو تو یہ بھی جھوٹ ہے آنحضرتؐ امام مہدیؑ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں برف کے تودوں پر سے گھٹنوں کے بل بھی جانا پڑے تو امام مہدیؑ جہاں کہیں ظاہر ہوتا ہے یا دعویٰ کرتا ہے اس تک پہنچو "فبایعوہ"۔ اس کی بیعت کرو اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ میرا سلام اس کو پہنچاؤ۔ (طبرانی الاوسط والصغیر) تو اب مولوی مودودی صاحب کے علم میں کیا یہ حدیثیں نہیں ہیں یہ جو کہتے ہیں کہ کسی انسٹی ٹیوشن کے لازم ہونے کا کہیں ذکر نہیں ملتا نہ صرف یہ کہ ذکر ملتا ہے بلکہ منطقی طور پر یہ تصور ہی نا ممکن ہے کہ اللہ کسی کو امام بنائے کیونکہ امام مہدی کے متعلق سب کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا ہی اس کو امام بنائے گا اور اجازت دے کہ بے شک اس کا انکار کر دو حکومت اپنے دائرہ کار میں چیڑاسی کی بات بھی منواتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی کو امام بنائے اور اس کے ماننے یا نہ ماننے کے متعلق چھٹی دے دے۔ یہ مودودی وغیرہ کے نفس کے بہانے ہیں وہ گھبرا کر بھاگنا چاہتے ہیں۔

٭٭٭

ارشادِ نبویؐ
خیر الزاد التقویٰ
(سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے)
(منجانب)
یکے از اراکین جماعت احمدیہ بمبئی

طالبانِ دعا:۔
آٹو ٹریڈرز
AUTO TRADERS
۱۶۔ میٹ گو لین کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

بابی لیدرز
YUBA
QUALITY FOOT WEAR
کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۷۳
ٹیلیفون نمبرز
43-4028-5137-5206

ایشین ٹائمز لندن کا ایک فکر انگیز مضمون

عراق میں اقتصادی پابندیوں سے پیدا شدہ صورتحال

فیلیسٹی آربتھنوٹ FELICITY ARBUTHNOT کے قلم سے
(ترجمہ رشید احمد چوہدری)

ہر دو ماہ کے بعد جب عراق پر اقتصادی پابندیوں کا معاملہ اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں زیر بحث آتا ہے تو وہی پرانا ڈرامہ رچایا جاتا ہے اور یکا یک عراق کے بارہ میں نئی سرخیاں اخبارات کی زینت بنتی ہیں اور ابلاغ عامہ کی تمام تر توجہ عراق کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ عراق نے ابھی تک اپنے پاس کیمیکل، بائیولوجیکل اور نیوکلیئر ہتھیار چھپا رکھے ہیں۔

عراق نے MARSHES میں بسے ہوئے عربوں کو ملیا میٹ کر دیا ہے کردوں پر حملہ کیا ہے اور از سر نو یہ بات دہرائی جاتی ہے کہ جب تک انسانی حقوق کی پامالی کے یہ واقعات ختم نہیں ہونگے اقتصادی پابندیوں کے ہٹانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

خلیج کی جنگ کے بعد عراق میں یہ میرا پانچواں دورہ تھا جو جنوری ۹۵ میں کیا گیا عراق جاتے وقت میرے ذہن میں انسانی حقوق کے بارہ میں خیالات کا ایک طوفان تھا، بغداد پہنچ کر میں نے اپنے سفر کا آغاز ایک کار کے ذریعہ کیا جسے کار نہیں بلکہ موت کا پنجرہ کہنا چاہیئے۔ اس کی یہ حیثیت اس لئے تھی کہ عراق میں فاضل پرزے تو دستیاب نہ تھے اور چونکہ بمباری کی وجہ سے ربڑ فیکٹری بھی مکمل تباہ ہو چکی تھی اس لئے ٹائروں پر بے شمار پنکچر لگے ہوئے تھے۔ میرا مقصد ابن بلدی ہسپتال میں دوائیوں کی ایک ادنیٰ سی مقدار پہنچانا تھا۔ یہ ہسپتال بغداد شہر کے پس ماندہ علاقہ میں واقع ہے اور علاقہ کی ضروریات کو حتی المقدور پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ابھی ہم ہسپتال کی عمارت میں داخل ہی ہوئے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ دو عورتیں بے حال صدمے سے نڈھال دنیا و مافیہا سے بے خبر سڑک کے ٹریفک کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چیختی چلاتی "یاسمین یاسمین" پکارتی ہوئی جا رہی تھیں ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو رواں تھے۔ یاسمین جس کا نام ماں باپ نے خوشبودار پھول کے نام پر رکھا ہوا تھا سات سالہ لڑکی تھی جو زندگی کی بازی ہار گئی تھی۔ خلیج کی جنگ کے تھوڑا عرصہ بعد ہی ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق اس کے دل میں خفیف سا نقص پایا گیا جسے اپریشن کے ذریعہ بڑی آسانی سے دور کیا جا سکتا تھا۔ ڈاکٹروں نے والدین کو تسلی دی کہ جونہی ملک اقتصادی پابندیوں سے آزاد ہوا اور ملک میں طبی سہولتیں بحال ہو گئیں ہم اپریشن کر کے اس معمولی نقص کو دور کر دیں گے اور بچی دوبارہ مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیگی لیکن چار سال کے عرصہ میں ایک معمولی نقص بڑے نقص میں تبدیل ہو گیا جو اس بچی کے نحیف جسم کو زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھ سکا۔ یہ نظارہ دیکھ کر میرا ایک ہم سفر جو میرا پرانا دوست بھی ہے اور نہایت رحمدل، نیک انسان ہے بڑے غصے میں طنزیہ طور پر یوں گویا ہوا،

"میرا خیال ہے اس بچی کے مرنے سے پہلے اسے بتا دیا گیا ہوگا کہ وہ اقوام متحدہ کی قرار دادوں پر عمل کرنے میں ناکام رہی ہے"

ہسپتال کے اندر ایئر کنڈیشنڈ سسٹم کو اوور ہیٹ سے بچانے کے لئے دو بجلی کے پنکھوں کا استعمال کیا جا رہا تھا میں نے پوچھا کہ اگر یہ بھی ناکارہ ہو جائیں تو کیا ہوگا جس کے جواب میں انجینئر نے ایک گتے کا ٹکڑا اٹھایا اور بڑی سنجیدگی سے ہلا کر اشارہ کیا کہ پھر یہ علاج ہے جو ہو سکتا ہے۔

ہسپتال میں آکسیجن کا مرکزی نظام ایک عرصہ سے ناقابل مرمت تھا اس لئے اس کی بجائے بھاری بھر کم زنگ آلودہ پرانے آکسیجن کے سلنڈروں سے کام چلایا جا رہا تھا جنہیں نحیف و لاغر پورٹر اٹھا کر اوپر کی منزلوں تک لے جاتے تھے کیونکہ لفٹ بھی بے کار ہو چکی تھی۔

ابن بلدی ہسپتال عراق میں روز مرہ زندگی کی اس بھیانک صورت کو پیش کرتا ہے جو عراق میں اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے ابھری ہے۔ سکولوں میں بچے بھوک سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ والدین اپنی اولاد کو زندہ رکھنے کے لئے کئی قسم کے جتن کرتے ہیں اور بعض دفعہ اپنا سب کچھ بیچ کر یعنی گھروں کی کھڑکیاں دروازے یہاں تک کہ اینٹیں بیچ کر ان کا پیٹ پالتے ہیں۔ مہنگائی اسقدر زیادہ ہے کہ انڈوں کا پیکٹ خریدنے کے لئے یا ایک کلو پیاز حاصل کرنے کیلئے جو قیمت ادا کرنا پڑتی ہے وہ ایک یونیورسٹی کے پروفیسر کی ماہانہ تنخواہ سے زیادہ ہے۔

ملک میں خوراک کی کمی کا یہ حال ہے کہ لوگ اپنے پالتو جانور چڑیا گھر کو دے آتے ہیں تاکہ انہیں کچھ خوراک مل سکے بلکہ بعض گھرانے ایسے ہیں کہ اپنے بچوں کو خود یتیم خانہ میں چھوڑ آتے ہیں تاکہ انہیں وہاں دو وقت کا کھانا میسر آ سکے۔

بغداد میں میرے سفر کے آخری دن مجھے ایک جگہ کھانے کیلئے بلایا گیا کھانے میں گوشت، مچھلی، انڈا یا پنیر وغیرہ کوئی چیز نہ تھی۔ تمام ہمسایوں نے بھی حصہ ڈالا تو دعوت کا اہتمام ہوا۔ اگرچہ دن کافی گرم تھا تاہم میں نے دیکھا کہ مہمان بھاری بھر کم کوٹوں میں ملبوس تھے غالباً مناسب غذا نہ ملنے کی وجہ سے نقاہت کا شکار تھے جس کو غالباً چھپا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے اور چہرے پژمردہ تھے۔ یہ تمام پیشہ ور لوگ تھے جو کسی زمانہ میں خاصے مالدار تھے۔ بغداد سے میں واپس عمان پہنچی اور ان مہیب نظاروں کو ذہن سے محو کرنے کے لئے وہاں کے ایک متمول علاقہ میں شاپنگ کیلئے گئی۔ ایک دکان میں قیمتی اشیاء کو دیکھ کر جب میں باہر نکلی تو میں نے دیکھا کہ ایک خستہ حال شخص جو میرے پیچھے آ رہا تھا اس نے یکدم میرے آگے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور جب میں نے اسے کچھ دینے کیلئے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس نے مجھے اپنا نام بتایا اور کہا کہ وہ عراقی ایر ویز میں سینئر انجینئر تھا جہاں سے اسکی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے جاپان ایر ویز اور برٹش ایر ویز نے LUFTHANSO بھی اس کی خدمات مستعار لیں۔ اب نہ تو عراقی ایر ویز باقی رہی اور نہ ہی فاضل پرزے دستیاب ہیں اس لئے انجینئروں کے لئے کوئی کام نہیں رہا۔ اس نے بتایا کہ وہ عراق کو چھوڑ کر اردن اس امید پر آیا تھا کہ کوئی چھوٹا موٹا کام ڈھونڈ کر اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکے گا مگر یہاں تو خلیج کی جنگ کی وجہ سے بے شمار مہاجرین آئے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسے ورک پرمٹ نہ مل سکا اور اس طرح وہ بیکار ہی رہا۔ اس کے پاس جو تھوڑی بہت پونجی تھی وہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئی اور چونکہ واپس جانے کے لئے کرایہ کی رقم بھی نہ بچی تھی اس لئے وہ یہاں ہی پھنس کر رہ گیا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ میں اس کے لئے کیا کر سکتی ہوں تو وہ یکدم سیدھا کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ میں گھبراتا نہیں حالات ضرور بدلیں گے۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا اور وہ پھر جھکا ہوا آہستہ آہستہ چلتا ہوا رات کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ اس کی عمر ۴۷ سال تھی۔ جاتے جاتے اس نے مڑ کر کہا میرا لڑکا گیارہ سال کا ہے اگر ہو سکے تو اسے ADOPT کر لیجئے۔ اس کا یہ جملہ میرے کانوں میں بار بار گونجتا رہا اور میں انسانی حقوق کے بارہ میں سوچتی رہ گئی کہ ان کی پامالی کون کر رہا ہے۔

(ایشین ٹائمز لندن ۱۵ اپریل ۱۹۹۵ء)

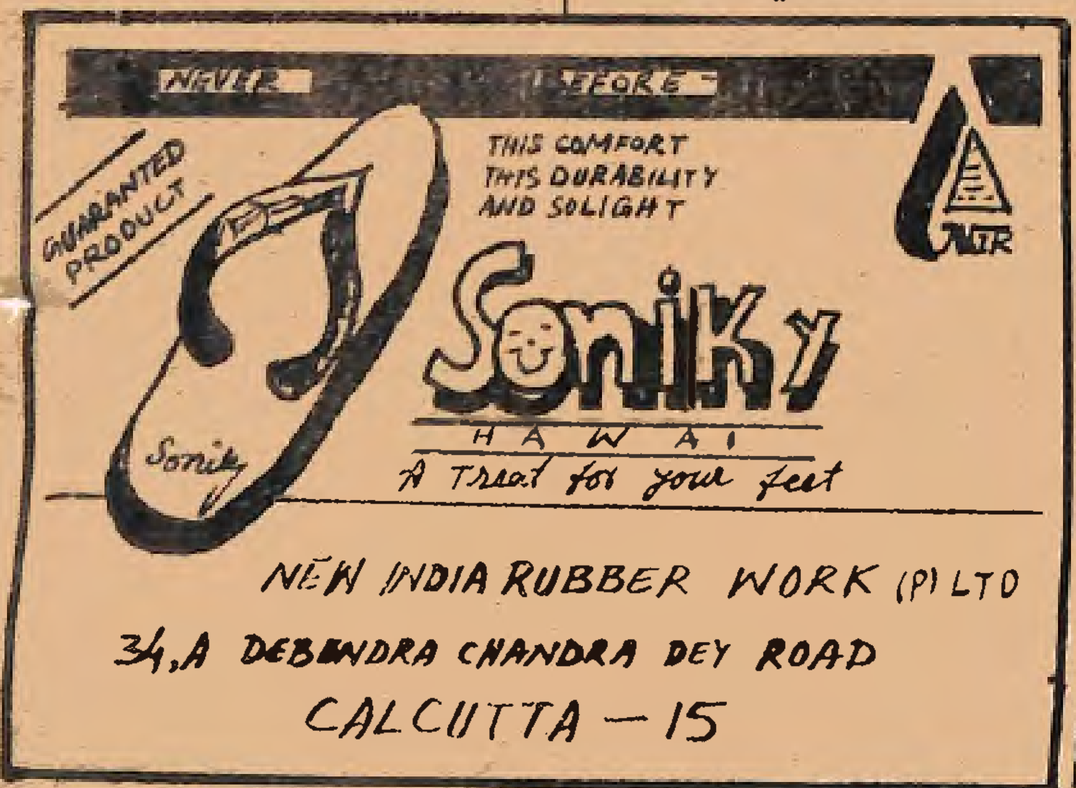

साप्ताहिक 'बद्र'

क़ादियान [पंजाब]

सम्पादक :-
मुनीर अहमद ख़ालिद
उप सम्पादक :-
मुहम्मद नसीम खान
कुरैशी मुहम्मद फ़ज़लुल्लाह

वर्ष 2 हिन्दी भाग 22 जून 1995 अंक 25

पवित्र क़ुर्आन

न्याय

हे ईमान वालो तुम पूर्ण रुप से न्याय पर क़ायम रहने वाले और अल्लाह के लिए गवाही देने वाले बन जाओ, यद्यपि तुम्हारी गवाही तुम्हारे अपने या माता-पिता और परिजनों के विरुद्ध ही पड़ती हो। यदि वह (जिस के लिए गवाही दी जाए धनवान है या निर्धन है तो प्रत्येक दशा) में अल्लाह उन दोनों से (तुम सब से बढ़ कर भलाई करने वाला है। अतः तुम तुच्छ कामना का अनुसरण न किया करो ताकि तुम न्याय कर सको और यदि तुम (किसी गवाही को छिपाओगे अथवा सच्चाई प्रकट करने से) कतराओगे तो याद रखो कि) जो कुछ तुम करते हो निस्सन्देह अल्लाह उस से जानकारी रखता है।

अल्लाह बुरी बात के ज़ाहिर करने को पसन्द नहीं करता, किन्तु जिस पर अत्याचार किया गया हो (वह उस अत्याचार को ज़ाहिर कर सकता है) और अल्लाह बहुत ही सुनने वाला एवं बहुत जानने वाला है।

यदि तुम किसी नेकी को ज़ाहिर करो अथवा उसे छिपाए रखो या किसी की बुराई को क्षमा कर दो तो (जान लो कि) निस्सन्देह अल्लाह बहुत क्षमा करने वाला और बड़ा शक्तिशाली है। (अल्-निसा)

छल-कपट एवं ईर्ष्या

इब्ने उमर (अल्लाह उन से राज़ी हो) वर्णन करते है कि हज़रत मुहम्मद मुस्तफ़ा सल्लअम ने फ़रमाया, 'आपस में ईर्ष्या न किया करो, अभिमान न किया करो, एक दूसरे मे घृणा न किया करो और एक दूसरे से मुंह न फेरा करो। एक दूसरे के सौदे को बिगाड़ा न करो। अल्लाह के ऐसे भक्त बन जाओ जिन में कोई छल-कपट न हो तथा परस्पर भाई-भाई बन जाओ। मुसलमान परस्पर भाई-भाई है। एक मुसलमान दूसरे मुसलमान पर अत्याचार नहीं करता, उसे तुच्छ नहीं समझता न ही उसे ज़लील समझता है। संयम यहां है, संयम यहां है, यह शब्द आप ने तीन बार कहते हुए दिल की ओर संकेत किया अर्थात् संयम का स्थान दिल है।" फिर आप ने फ़रमाया, "एक मनुष्य के लिए यही बुराई काफ़ी है कि वह अपने मुसलमान भाई का अपमान करे। प्रत्येक मुसलमान की तीन चीजें दूसरे मुसलमान पर हराम हैं, उस का ख़ून, उस का धन तथा उस की इस्मत (सतीत्व)।"

(मुस्लिम शरीफ़ किताबुलबिर्रे वस्सलाते भाग 2 पृष्ठ 178)

हज़रत अबहुरैर : (अल्लाह उन से राज़ी) हो वर्णन करते हैं कि हज़रत मुहम्मद मुस्तफ़ा सल्लअम ने फ़रमाया कि ईर्ष्या करने से बचो क्योंकि ईर्ष्या नेकियों और भलाइयों को खा जाता है जैसे आग ईंधन को खा जाती है और भस्म कर देती है।

जमाअत को नसीहत

"मैं अपनी जमाअत को नसीहत करता हूं कि अहंकार से बचो क्योंकि अहंकार हमारे प्रतापी ख़ुदा के नेत्रों में अत्यन्त घृणित कार्य है किन्तु तुम कदाचित नहीं समझोगे कि अहंकार क्या वस्तु है ? अतः मुझ से समझ लो कि मैं ख़ुदा की आत्मा से बोलता हू।

प्रत्येक जो अपने भाई को इसलिए तुच्छ समझता है कि वह (स्वयं) उस से अधिक विद्वान् या अधिक बुद्धिमान या अधिक कलाकार है वह अधिक अहंकारी है क्योंकि वह ख़ुदा को ज्ञान और बुद्धि का स्रोत नहीं समझता और अपने आप को कुछ चीज़ समझता है। क्या ख़ुदा यह सामर्थ्य नहीं रखता कि उसको पागल कर दे और उसके उस भाई को जिसको वह छोटा समझता है, उससे श्रेष्ठ बुद्धि-विद्या और कला दे दे। ऐसा ही वह व्यक्ति जो अपने किसी धन और ऐश्वर्य की कल्पना करके अपने भाई को तुच्छ समझता है, वह भी अहंकारी है क्योंकि वह इस बात को भूल गया है कि ऐश्वर्य ख़ुदा ने ही उसको दिया था। वह अन्धा है और वह नहीं जानता कि वह ख़ुदा पूर्ण अधिकार रखता है कि उस पर ऐसी विपत्ति ले आए कि वह क्षण मात्र में रसातल में जा पड़े और उसके उस भाई को जिसको वह तुच्छ समझता है उससे बढ़ कर धनैश्वर्य प्रदान करे और ऐसा ही वह व्यक्ति जो अपने भाई का व्यंग्य और हंसी ठट्ठे से निकृष्टता सूचक नाम रखता है और उसके शारीरिक दोष लोगों को सुनाता है, वह भी घमण्डी है। वह उस ख़ुदा से अनभिज्ञ है कि एक क्षण में उस को ऐसा शारीरिक रोग लगा दे कि उस भाई से उस को निकृष्टतम और कुरुप बना दे।"

(रुहानी ख़ज़ायन भाग 18, पृष्ठ 402, नज़लुलमसीह पृष्ठ 26)

दूसरों के प्रति कुविचार (बदज़न्नी)

"दूसरों के प्रति कुविचार एक ऐसी भयंकर विभीषिका है जो ईमान को अतिशीध्र इस प्रकार भस्म कर देती है जैसा कि धधकती हुई अग्नि शुष्क घास को। वह जो ख़ुदा के नबियों के प्रति कुविचार और दूषित विचार रखता है, ख़ुदा स्वयं उस का शत्रु हो जाता है और उस से युद्ध के लिए खड़ा होता है। वह अपने पैग़म्बरों के लिए इतना स्वाभिमान रखता है जिसकी उपमा प्रस्तुत नहीं की जा सकती। मेरे पर जब अनन्य भांति के आक्रमण हुए तो वही ख़ुदा का स्वाभिमान मेरे लिए जाग उठा।"

(रुहानी ख़ज़ायन भाग-20 पृष्ठ-317, अलवसीयत पृष्ठ-19)

"मैं सच कहता हूं कि दूसरों के प्रति कुविचार ऐसा भयंकर रोग है जो मनुष्य के ईमान को नष्ट कर देता है और श्रद्धा और सत्य मार्ग से पथ भ्रष्ट करके दूर फेंक देता है और मित्रों को शत्रु बना देता है। सिद्क़ों सत्यव्रतियों की विशेषताएं प्राप्त करने के लिए आवश्यक है कि मनुष्य दूसरों के प्रति कुविचार से बहुत★

★ही बचे। यदि किसी के सम्बन्ध में कोई दूषित विचार पैदा हो तो अत्यधिक इस्तिग़फ़ार (ईश्वर से क्षमा-याचना) करे।

क्रमशः : पृष्ट 2 पर

और खुदा से दुआएं करे ताकि उस पाप उसके दुष्परिणाम से बच जावे जो उस कुविचार के पीछे आने वाला है। उसको कभी साधारण वस्तु नहीं समझना चाहिए। यह अति भयंकर रोग है जिस से मनुष्य का शीघ्र ही सर्वनाश हो जाता है।"

(मलफूज़ात भाग-1, पृष्ठ-372)

"और चाहिए कि तुम भी सहानुभूति और अपने अन्तःकरणों और अन्तरात्माओं को पवित्र करने से 'रूहुलक़ुदुस' (महान् पवित्रात्मा) से हिस्सा लो क्योंकि बिना 'रूहुल-क़ुदुस' के वास्तविक संयम प्राप्त नहीं हो सकता। विकृत भावनाओं को सर्वथा त्याग कर खुदा की इच्छा के लिए वह मार्ग ग्रहण करो जो उससे अधिक कोई संकीर्ण मार्ग न हो। सांसारिक भोगों पर अनुरक्त मत हो क्यो-कि वह परमेश्वर से पृथक् करते हैं। परमेश्वर के लिए जीवन की कटुताओं को सहन करो। वह पीड़ा जिस से खुदा प्रसन्न हो, उस विजय से श्रेष्ठ है जो खुदा के प्रकोप का कारण बने। उस प्रेम को छोड़ दो जो खुदा के क्रोध के निकट ले जाए। यदि तुम हृदय को स्वच्छ और पवित्र करके उसकी तरफ आ जाओगे तो प्रत्येक क्षेत्र में वह तुम्हारी सहायता करेगा और कोई शत्रु तुम्हें हानि नहीं पहुँचा सकेगा।"

(रूहानी खज़ायन भाग-20, पृष्ठ-307, अलवसीयत पृष्ठ-9)

"मनुष्य की सम्पूर्ण आत्मिक सुन्दरता संयम के समस्त सूक्ष्म मार्गों पर पदार्पण करना है ... और स्पष्ट है कि अल्लाह तआला की अमानतों (धरोहरों) ईमानी प्रतिज्ञाओं (वचनों) की यथा शक्ति पूर्ति करना ... और उसी के अनुरूप हक़ूकुल इबादि अर्थात् मानव-समाज के प्रति अपने कर्तव्यों का भी पालन करना। यह वह नियम है कि मनुष्य की समस्त आध्यात्मिक सुन्दरता इसी से सम्बद्ध है। परमेश्वर ने पवित्र कुरान में तक़वा (संयम को 'वस्त्राभूषण' की संज्ञा दी है। अस्तु 'लिबासुत्तक़वा' संयम का वस्त्र) पवित्र कुर्आन का शब्द है। यह इस बात की ओर संकेत है कि आत्मा की सुन्दरता और सजावट संयम से ही पैदा होती होती है संयम यह है कि मनुष्य अल्लाह तआला की समस्त धरो-हरों और ईमानी प्रतिज्ञाओं और इसी प्रकार सृष्टि की सभी धरोहरों और किए हुए वचनों को यथाशक्ति पूरा करे अर्थात् उनके सूक्ष्म अति सूक्ष्म पक्षों पर अपनी शक्ति और सामर्थ्य के अनुसार आचरण करे।"

(रूहानी खज़ायन भाग-21, पृष्ठ-210, ब्राहीन अहमदिया भाग-5 पृष्ठ-182 प्रथम संस्करण)

चरित्र की परिभाषा

इसके पश्चात् मैं इस बात की ओर ध्यान आकर्षित करना चाहता हूं कि चरित्र की परिभाषा समझने में लोगों को बहुत कुछ धोका लगा है। इस कारण भी चरित्र गठन सम्बन्धी शिक्षा-ओं की तुलना ठीक प्रकार से नहीं हो सकती। साधारणतया लोगों पर यह प्रभाव है कि प्रेम तथा क्षमा तथा साहस इत्यादि अच्छे चरित्र हैं और क्रोध, कठोरता एवं भय इत्यादि बुरे चरित्र हैं। जब कि यह बात नहीं है। ये समस्त बातें स्वाभाविक हैं। अतः उनको अच्छा या बुरा कहना उचित नहीं। न प्रेम कोई चरित्र है न क्षमा कोई आचरण है, न साहस कोई चरित्र है न कठोरता, न घृणा कोई चरित्र है। ये सभी मानव की मूल प्रवृत्ति-यां हैं अपितु जीव धारियों की ये प्राकृतिक प्रवृत्तियां हैं क्यों कि हम देखते हैं कि ये सब प्रवृत्तियाँ पशुओं में भी पाई जाती है। पशु भी प्रेम करते है, क्षमा करते हैं, साहस दिखाते हैं, कठोरता का दर्शन करते है भय खाते हैं घृणा करते हैं किन्तु कोई व्यक्ति यह नहीं कहता कि गाय महान चरित्रवान् है, यह बकरी अति सुन्दर चरित्र की स्वामिनी है, यह घोड़ा उच्च चरित्र रखने वाला है पशुओं की प्रशंसा करते हुए हम इन्हीं बातों को जो मानव में पाई जाती हैं, तो हम उन्हें श्रेष्ठ चरित्र कह देते हैं, उनकी स्वा-भाविक प्रवृत्तियां बता देते हैं।

अस्तु, यहां पर गम्भीरता पूर्वक विचार करना पड़ेगा कि यह अन्तर क्यों है? जो बातें मानव में श्रेष्ठ चरित्र की संज्ञा प्राप्त करती है, वही बातें पशुओं में श्रेष्ठ चरित्र की संज्ञा क्यों नहीं पाती? उनका कारण है कि हम स्वाभावतयः जानते हैं कि इन मूल प्रवृत्तियों का नाम चरित्र नहीं हैं अपितु चरित्र कुछ और वस्तु है। इसी कारण हम मनुष्य को चरित्रवान् कहते हैं किन्तु पशुओं को नहीं।

अब प्रश्न यह उठता है कि वह कौन से अन्तर है जिस के कारण एक व्यक्ति में जब वे बातें पाई जाएं तो श्रेष्ठ चरित्र कह-लाती हैं एवं पशुओं में पाई जाएं तो श्रेष्ठ चरित्र नहीं अपितु मूल प्रवृत्तियां कहलाती हैं?

सो स्मरण रखना चाहिए कि मूल प्रवृत्तियां जब बुद्धि एवं अवसर के अनुकूल आएं तब उनको चरित्र कहते है अन्यथा नहीं एवं मनुष्य से आशा की जाती हैं कि उसके सभी कार्य बुद्धि एवं अवसर के अनुकूल तथा अधीन होंगे क्योंकि यही विशेषताएं उस को दूसरे प्राणियों से पृथक् करने वाली हैं। अतः जब मनुष्य इन प्रवृत्तियों को प्रयोग में लाता है तो सुन्दर शब्दों में उसे चरित्र कहा जाता है अन्यथा कभी ऐसा हो सकता है कि एक व्यक्ति का कर्म भी मूल प्रवृत्ति के अनुसार हो एवं इस कारण चरित्र में उस की गणना न हो। रही यह बात कि लोगों में प्रसिद्ध चरित्र मूल प्रवृत्तियां हैं। इस बात से भी सिद्ध हो जाता है कि हम देखते हैं कि कुछ लोग ऐसे कोमल होते है कि उनके सम्मुख कोई कुछ करे वे कुछ नहीं बोलते, एवं कुछ लोगों की प्रवृत्ति ऐसी होती हैं कि प्रत्येक बात जिस को वे अपने मस्तिष्क में निश्चय कर ले उस से पीछे नहीं हटते। अब इन दोनों व्यक्तियों के विषय में यह नहीं कहा जा सकता कि वे श्रेष्ठ्य चरित्र के स्वामी हैं। कारण, उन-से यह कार्य किसी विशेष निश्चय के अधीन नहीं होते अपितु वे ऐसा करने में विवश होते हैं। इसी प्रकार उदाहरणतया किसी की जिह्वा नहीं वह किसी को अपशब्द नहीं कहता अथवा किसी के हाथ नहीं, वह किसी को मारता नहीं, तो इस को श्रेष्ठतम चरित्र-वान् मनुष्य नहीं कहा जाएगा। तात्पर्य यह कि चरित्र उसे कहते हैं कि मूल प्रवृत्तियों को अवसर के अनुसार प्रयोग में लाया जाए न यह कि मूल प्रवृत्तियों को प्रयोग किया जाए।

अतः जब चरित्र की परिभाषा हमें ज्ञात हो गई तो हम सुगमता पूर्वक समझ सकते हैं जो धर्म हमें यह शिक्षा देता है कि तुम हृदय के कोमल बनो, अथवा साहस का प्रदर्शन करो, अथवा क्षमा करो अथवा प्रेम करो, वह चरित्र की शिक्षा नहीं देता अपितु वही बातें बताता है जो हमारी प्रकृति में जन्म से विद्यमान हैं। क्या पशु कोमलता नहीं दिखाते? क्या वे साहस का प्रदर्शन नहीं करते? क्या वे क्षमा नहीं करते? क्या वे प्रेम नहीं करते? क्या वे सहानुभति नहीं करते? हम ने तो प्रायः देखा है कि एक घायल पशु के निकट दूसरा पशु बैठता है एवं उस को ऐसे अनोखे ढंग से देखता है कि स्पष्ट प्रतीत होता है कि उस से सहानुभूति प्रकट कर रहा है कई बार उसे प्रेमवश चाटने लगता है।

अतएव इस प्रकार की शिक्षा ऐसी ही है जैसे किसी धर्म का यह शिक्षा देना कि हे लोगों भोजन खाया करो, जल पिया करो, निद्रा आए तो सो जाया करो। इन प्राकृतिक प्रवृत्तियों को पूरा करने के लिए कोई व्यक्ति किसी धर्म के अधीन नहीं है।